ماہنامہ محدث بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۱۹
جلد: ۲۸ ، شمارہ: ۵
جمادی الأولی ۱۴۳۱ھ
مئی ۲۰۱۰ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالسلام مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-خلیفۂ اول صدیق اکبرؓ...	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	۷
۵-عدالت صحابہ سے متعلق.....	مولانا عبدالمتین مدنی	۱۵
۶-قدیم وجدید جاہلیت کی چند جھلکیاں	عبدالسمیع محمد ہارون سلفی	۱۹
۷-شہادت حسینؓ ایک تحقیقی جائزہ	عبدالغفار سلفی	۲۲
۸-سرزمین دوآبہ میں وہابی تحریک..	صدیق احمد نفیس احمد	۲۶
۹-محدثین کرام کے تصنیفی منہج	راشد حسن فضل حق مبارکپوری	۳۱
۱۰-شادی بیاہ کی موجودہ تقاریب..	ثروان نعیم بن نعیم اختر	۳۶
۱۱-اخبار جامعہ	ادارہ	۳۹
۱۲-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۳
۱۳-ندوۃ الطلبہ اور انجمن حفلۃ الخطابۃ کے سالانہ انعامی مسابقے		۴۵
۱۴-باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۶

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

اللہ ہی کے لئے پیدا کرنا اور حکم چلانا ہے

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿ إِنَّ رَبَّكُمُ اللّهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِيْ اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيْثاً وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلاَ لَهُ الْخَلْقُ وَالأَمْرُ تَبَارَكَ اللّهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ﴾ (اعراف:۵۴)

بے شک تم سب کا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا، پھر عرش پر مستوی ہوا، وہ رات سے دن کو ڈھانپ لیتا ہے کہ وہ (رات) اس (دن) کو جلدی سے آلیتی ہے اور (اسی نے پیدا کیا) سورج اور چاند اور ستارے (کو جو) اسی کے حکم کے تابع ہیں۔ (سن لو کہ) اسی (اللہ) کے لئے ہے پیدا کرنا اور حکم چلانا۔ بابرکت ہے اللہ جو سارے جہاں کا پروردگار ہے۔

اگر اللہ کی ملکوتیت، ربوبیت اور قدرت کاملہ کو دیکھنا ہو تو مذکورہ بالا آیت کے ہر لفظ پر غور کرو، اس آیت سے یہ واضح ہے کہ انسان کا پالن ہار اللہ ہے، جس نے اس کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا ہے، تمام آسمانوں اور زمین کا خالق وہی ہے، اس لئے ان میں پائی جانے والی ہر شئ اسی کی مخلوق ہے، رات و دن کا آگے پیچھے ایک نظام کے تحت آنا جانا، سورج و چاند اور تمام ستارے جو ایک بہت ہی ٹھوس نظام پر چل رہے ہیں، اسی کے حکم کے تابع ہیں، یہ تمام چیزیں اور ٹھوس نظام اس بات کی دلیل ہے کہ پیدا کرنا اور حکم چلانا صرف اللہ کے ہی ہاتھ میں ہے، جیسا کہ قرآنی آیات سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن پکارنے والا پوچھے گا: لمن الملك اليوم، لله الواحد القهار. کہ آج کس کی حکومت ہے، سب جواب دیں گے کہ صرف ایک واحد اللہ کی جو بہت ہی زبردست ہے۔

آسمانوں اور زمین اور دوسری آیت اور حدیثوں کی رو سے دیگر مخلوقات کو بھی اللہ ہی نے چھ دن میں بالترتیب پیدا کیا ہے، یعنی اتوار سے جمعہ تک اور آخری مخلوق آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر بعد پیدا کیا، دن کتنا طویل تھا اس کا علم اللہ کو ہے، اس دنیا کا دن و ہفتہ جس کو ہم گنتے ہیں اس کا وجود نہیں تھا، سورج و چاند بعد کی مخلوقات ہیں، اسی طرح ان چھ دنوں کی تخلیق کے بعد اس کا عرش پر مستوی ہونا جو سب سے بڑی مخلوق ہے، اس کی کیفیت بھی کوئی نہیں جانتا۔

جن چیزوں کی تفصیل نہیں بتائی گئی اس کے بارے میں زیادہ دماغ لگانا مناسب نہیں، اس لئے کہ انسان کی وہاں تک پہنچ ہی نہیں ہے کہ تفصیل جان سکے، سلف صالحین اس کے بارے میں کہا کرتے کہ استوی معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

اللہ تعالی کی قدرت عظیم ہے، وہ صرف " كُنْ " کہہ کر کسی بڑی سے بڑی چیز پیدا کر سکتا ہے، اس تفصیل میں انسان کے لئے عبرت ہے کہ انسان بھی ترتیب اور وقار سے کام کرے۔

یہ آیت اللہ کی طاقت و قدرت کے ساتھ ساتھ اس کی وحدانیت بھی بتلا رہی ہے، جب دنیا کی تمام چیزیں اسی کی بنائی ہوئی ہیں تو ہم کسی کو معبود کیوں کر بنائیں جو خود مخلوق ہو اور کسی چیز پر قدرت نہ رکھتا ہو، وہ کسی کو کیا دے سکتا ہے اور کیسے مراد پوری کر سکتا ہے؟ کاش مسلمان اس آیت پر غور کرتے اور اپنا راستہ اللہ سے جوڑتے۔

☆☆☆

درس حدیث:۱۳۳

میت کوراحت، یامیت سے راحت

تحریر:مولانا عبدالسلام مدنی/استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن أبي قتادة، أنه كان يحدث: أن رسول الله ﷺ ، مُرّ عليه بجنازة فقال: مستريح، أو مستراح منه. فقالوا: يا رسول الله ! ما المستريح والمستراح منه ؟ فقال: العبد المؤمن يستريح من نصب الدنيا، وأذاها إلى رحمة الله، والعبد الفاجر يستريح منه العباد والبلاد والدواب . متفق عليه (مشكاة ج ١ ، ص ١٣٩)

قال صاحب المرعاة ؒ : أخرجه البخاري في آخر الرقاق، ومسلم في الجنائز . (مرعاة ج ٥ ، ص ٢٩٤)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزارا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (یہ میت) راحت یافتہ ہے یا غیروں کو اس سے راحت حاصل ہوئی ہے، صحابہ کرام ؓ نے استفسار کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! ''راحت یافتہ'' یا ''اس سے راحت پائی گئی'' سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: مومن بندہ دنیا میں کدوکاوش اور اس کی تکلیفوں سے راحت پاکر اللہ کی رحمت میں پہنچ جاتا ہے اور فاسق وفاجر (کے شر سے) اللہ کے بندے، شہر و بلاد اور چوپائے کو راحت مل جاتی ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ مرنے والے انسان کی دو ہی حالت ہوتی ہے یا تو وہ دنیا کی ابتلاء وآزمائش اور اس کی کد وکاوش سے نجات پاکر کے اللہ کی رحمت ورضوان میں چلا جاتا ہے، اسی کو اللہ کے رسول ﷺ نے " مستریح "فرمایا اور یا فاسق وفاجر اور ظالم وجابر انسان ہوتا ہے جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے " مستراح منه "کہا ہے، پھر آپ ﷺ نے "مستریح" اور "مستراح منه" کی تشریح فرمائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق وفاجر اور ظالم وجابر کے ظلم کا وبال صرف دنیا میں اسی پر نہیں پڑتا ہے بلکہ انسان، ہر ذی روح، شجر وحجر اور شہر و بلاد سب کو اذیت پہنچتی ہے اور اس کے مرنے پر ہر شی کو راحت وسکون حاصل ہو جاتا ہے۔

قال الطيبي: أما استراحة البلاد والأشجار فإن الله تعالى بفقده يرسل السماء عليكم مدرارا، ..... الخ. (مرعاۃ ج۵ص۲۹۴)

یعنی طیبی ؒ فرماتے ہیں کہ فاسق وفاجر کے ظلم وزیادتی کی نحوست سے رب العالمین بارش روک لیتا ہے اور جب اس کو موت سے دوچار کر دیتا ہے تو رحمت الٰہی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور خوب بارش ہونے لگتی ہے جس سے ذی روح، شجر وحجر اور ہر شئ کو اللہ حیات بخشتا ہے۔ (مرعاۃ //)

رب العالمین ہم جملہ کلمہ گو بھائیوں کو مستریح اور رحم دل بنا، مستراح منہ نہیں، آمین۔

☆☆☆

افتتاحیہ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

یہ دین اسلام کا نہایت مہتم بالشان حکم ہے، اللہ تعالی نے اپنی کتابیں اسی لئے نازل فرمائیں اور اپنے انبیاء ورسل اسی مقصد سے مبعوث فرمائے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ آسمانی رسالت کو سب تک پہنچایا جائے، خاتم الانبیاء والرسل محمد ﷺ کا وصف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ﴾ (الاعراف:۱۵۷)

رسول انہیں تمام بھلی باتوں کا حکم دیتا ہے اور انہیں تمام بری باتوں سے روکتا ہے، تمام پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال ٹھہراتا ہے اور تمام گندی چیزوں کو ان کے لئے حرام ٹھہراتا ہے۔

اس آیت میں آپ ﷺ کی رسالت کے کامل ومکمل ہونے کا بیان کیا گیا ہے، خاتم الانبیاء والرسل ہی کی وہ ذات بابرکات ہے جن کے ذریعہ اللہ تعالی نے ہر معروف کا حکم دیا ہے، ہر منکر سے منع فرمایا ہے، ہر طیب وپاکیزہ چیز کو حلال کیا ہے اور ہر خبیث اور گندی چیز کو حرام ٹھہرایا ہے، اسی لئے حدیث میں آپ نے فرمایا ہے:

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخْلاَقِ۔ میں اسی لئے مبعوث کیا گیا ہوں کہ تمام فضائل اخلاق کی تکمیل کردوں۔

اور ایک متفق علیہ حدیث ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں:

مَثَلِيْ وَمَثَلُ الأَنْبِيَاءِ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا أَكْمَلَهَا إِلاَّ مَوْضَعَ لَبَنَةٍ وَكَانَ النَّاسُ يُطِيْفُوْنَ بِهَا وَيُعْجِبُوْنَ مِنْ حُسْنِهَا، وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلاَ مَوْضَعُ اللَّبَنَةِ، فَأَنَا تِلْكَ اللَّبَنَةُ.

میری اور تمام انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے کسی آدمی نے گھر بنایا اور اسے مکمل کردیا، مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، لوگ کثرت سے وہاں آتے جاتے اور اس کی خوبصورتی کو بیان کرتے، اور کہتے اگر ایک اینٹ کا نقص نہ ہوتا تو گھر بالکل کامل ہوتا، میں وہی اینٹ ہوں۔

اسی پر اللہ کا دین جو ہر معروف کے حکم ہر منکر کی ممانعت ہر طیب وپاکیزہ کی حلت اور ہر خبیث اور گندی چیز کی حرمت پر مشتمل ہے، مکمل ہوگیا۔

خبیث اور گندی چیزوں کو حرام ٹھہرانا نہی عن المنکر میں اور طیب اور پاکیزہ چیزوں کو حلال ٹھہرانا امر بالمعروف میں داخل ہے، اس لئے کہ طیب اشیاء کو حرام ٹھہرانا ان امور میں سے ہے جس سے اللہ تعالی نے روکا ہے، اسی طرح تمام معروف اور اچھائیوں کے حکم اور ہر منکر اور برائی سے ممانعت کی تکمیل ہمارے رسول ﷺ ہی کے لئے ہوئی ہے جن کے ذریعہ اللہ تعالی نے تمام مکارم اخلاق کی تکمیل فرمائی جو سب کے سب معروف میں داخل ہیں، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيناً﴾ (المائدۃ:۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے، اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلق اللہ تعالی نے خاتم الانبیاء والرسل محمد ﷺ کا جو وصف بیان فرمایا ہے وہی وصف امت محمدیہ مسلمہ کا بھی بیان فرمایا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ﴾ (آل عمران:۱۱۰)

مسلمانو! تم بہتر امت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کی گئی ہے، تم لوگ تمام بھلی باتوں کا حکم دیتے ہو، اور تمام بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اور فرمایا:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ (التوبۃ:۷۱)

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، تمام بھلے کاموں کا حکم دیتے ہیں، اور تمام برے کاموں سے روکتے ہیں۔

اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنْتُمْ خَيْرَ النَّاسِ لِنَاسٍ تَأْتُونَ بِهِمْ فِي الأَقْيَادِ وَالسَّلاَسِلِ حَتَّى تُدْخِلُوهُمُ الْجَنَّةَ.

مسلمانو! لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے تم سب لوگوں سے بہتر ہو، تم انہیں رسیوں اور زنجیروں میں بندھا ہوا لاؤ گے، یہاں تک کہ ان کو جنت میں داخل کرو گے۔

اللہ سبحانہ وتعالی نے آیت بالا میں بیان فرمایا ہے کہ امت مسلمہ لوگوں کے لئے دیگر تمام امتوں سے بہتر ہے، لوگوں کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش ہے، لوگوں کی بھلائی اور خیر خواہی میں سب امتوں سے بڑھ کر ہے، کیونکہ امت مسلمہ نے وصف اور قدر دونوں پہلوؤں سے لوگوں کو بھلائیوں کے حکم اور برائیوں سے ممانعت کی تکمیل کی ہے، امت مسلمہ نے ہر معروف کا حکم دیا ہے، اور ہر منکر سے روکا ہے اور یہ امر و نہی ہر ایک شخص کے لئے ہے، امت مسلمہ نے اپنی جانوں اور مالوں کے ذریعہ جہاد فی سبیل اللہ کر کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ قائم کیا ہے، اور یہ خلق کے لئے نفع رسانی کی حد کمال ہے۔

اور بقیہ تمام امتوں نے ہر معروف کا حکم ہر شخص کو نہیں دیا ہے، اور نہ ہی ہر منکر کی ممانعت ہر شخص کو کی ہے، اور نہ ہی اس کے لئے جہاد کیا ہے، اور جنہوں نے جہاد کیا بھی ہے جیسے بنی اسرائیل تو ان کا بیشتر جہاد اپنی سرزمین سے دشمن کو دفع کرنے کے لئے تھا، مجاہدین کی دعوت ان کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے نہ تھا، جیسا کہ اللہ تعالی نے بیان فرمایا ہے کہ موسی نے اپنی قوم سے کہا:

اے میری قوم کے لوگو! کنعان کی مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ، جسے اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر رکھا ہے اور پیٹھ

پھیر کر نہ بھاگو، ورنہ خسارہ اٹھاؤ گے، وہ لوگ کہنے لگے اے موسیٰ اس سرزمین میں بڑے زبردست لوگ بستے ہیں، اور ہم اس میں داخل نہ ہوں گے جب تک وہ اس سے نکل نہ جائیں، اگر وہ اس سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو جائیں گے۔ (المائدۃ:۲۱-۲۲)

امت مسلمہ کا اجماع اسی لئے حجت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس کے افراد ہر معروف کا حکم دیتے ہیں، اور ہر منکر سے روکتے ہیں، اگر حرام چیز کے مباح ٹھہرانے، واجب کے ساتھ کر دینے یا لحال کے حرام ٹھہرانے یا اللہ تعالیٰ یا اس کے خلق کی طرف سے کسی باطل بات کے بیان کرنے پر اتفاق کر لیں تو منکر کے حکم دینے اور معروف سے روکنے کے وصف سے متصف ہو جائیں گے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ وصف کے لحاف ہے، بلکہ آیت قرآنی سو اس بات کی مقتضی ہے کہ امت مسلمہ نے جس بات کا حکم نہیں دیا وہ معروف ہی نہیں ہے اور جس سے منع نہیں کیا وہ منکر ہی نہیں ہے، اور امت جب ہر معروف کا حکم دینے والی ہر منکر سے منع کرنے والی ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پوری امت منکر کا حکم دے اور پوری امت معروف سے روکے، اور اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ بتایا کہ امت مسلمہ معروف کا حکم دیتی اور منکر سے روکتی ہے تو اسے امت کی طرف سے بطور فرض کفایہ واجب قرار دیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران:۱۰۴)

تم میں ایک جماعت ایسی رہنی چاہئے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف دعوت دیں، نیکیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے منع کریں اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

یہ بات بتا دینے کے ساتھ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ امت مسلمہ کی طرف سے قائم ہوگا، یہ بات شرط نہیں ہے کہ امت مسلمہ کے حکم دینے والے کا حکم اور منع کرنے والے کی ممانعت دنیا کے ہر مکلّف کو پہنچ جائے، اس لئے کہ جب یہ تبلیغ رسالت میں شرط نہیں ہے تو اس کے توابع میں کس طرح شرط قرار دی جائے گی، بلکہ شرط یہ ہے کہ مکلّف خود وہ قدرت پیدا کریں کہ ہر امر و نہی ان تک پہنچ جائے، پھر اگر وہ کوتاہی کریں اور ان تک ہر امر و نہی کے پہنچنے کی سعی نہ کریں جب کہ فاعل اپنا فریضہ ادا کر رہا ہو تو کوتاہی ان لوگوں کی طرف سے ہے نہ کہ اس کی طرف سے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر شخص پر بعینہ فرض نہیں ہے بلکہ یہ کفایۃً فرض ہے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے اور جہاد چونکہ اس فریضہ کی تکمیل ہے اس لئے جہاد کا فریضہ بھی اسی کی طرح ہے، لہذا جب اس فریضہ کو ادا کرنے والا اس پر قائم نہ ہوا تو ہر قدرت رکھنے والا اپنی قدرت کے حساب سے فرض ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيْمَانِ۔ (فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ)

تم میں سے اگر کسی نے کوئی برائی دیکھی تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر اس کی قدرت نہ رکھے تو اپنے دل سے اس سے نفرت کرے، اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔ ☆☆

خلیفۂ اول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تنقیص اور شیعہ

(۱) مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
استاذ جامعہ رحمانیہ، بنارس

علم حدیث کے مشہور عالم اور جرح وتعدیل کے امام ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں:

" إذا الرجل ينتقص أحدا من أصحاب رسول الله ﷺ فاعلم أنه زنديق، وذلك أن القرآن حق والرسول حق وما جاء به حق، وما أدى إلينا ذلك كله إلا الصحابة، فمن جرحهم إنما أراد إبطال الكتاب والسنة فيكون الجرح به أليق والحكم عليه بالزندقة والضلال أقوم وأحق ". (۱)

''جب کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کی تنقیص کرے تو سمجھ لو کہ وہ ملحد اور بے دین ہے، کیونکہ قرآن برحق ہے، رسول برحق ہیں اور رسول جو کچھ لے کر آئے، وہ برحق ہے، ان سب کو ہم تک پہنچانے والے صحابہ کرام ہی تھے، تو جس نے ان پر جرح کی وہ جرح کا زیادہ مستحق ہے اور اس پر بے دینی اور گمراہی کا حکم صادر کرنا زیادہ درست اور حق ہے''۔

اسلام کی آمد کے بعد جن خود ساختہ مذاہب نے ہاتھ پاؤں نکالے، ان میں شیعہ مذہب خاص طور سے قابل ذکر ہے، مضحکہ خیز ہونے کے ساتھ یہ مذہب بے حد خطرناک اور انسانیت کی پشت پر ایک ناسور ہے جو ہمیشہ رستا رہتا ہے، دنیا میں یہ تنہا مذہب ہے، جس کی تشکیل کا واحد مقصد اسلام دشمنی، اس کی بیخ کنی اور اسلامی معاشرت کی اجتماعیت کا شیرازہ منتشر کرنا ہے، اسی مقصد کے لیے شیعہ حضرات حالات وظروف کے لحاظ سے اپنے اصول وعقائد کی تشریح کیا کرتے ہیں، اسلامی تاریخ کے ہر خونچکاں داستان میں انہیں کا خفیہ ہاتھ نظر آتا ہے، اسلام کا لبادہ اوڑھ کر، مسلم معاشروں کو دیمک کی طرح کھوکھلا کر دینے والا صرف یہی مذہب ہے۔

شیعیت کے ہر عقیدہ اور ہر اصول کی زد براہ راست اسلام کے عقائد اور تعلیمات پر پڑتی ہے، اس نے اسلام کے مقابلے میں ایک ایسا اسلام پیش کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین برحق کے ہر اصول کی تکذیب کرتا ہے، شیعوں نے اللہ رب العالمین، ذات اقدس ﷺ، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام سب کو نشانہ بنایا، اسلامی عقائد ہوں یا عبادات یا معاملات ان کے زہریلے تیروں سے کوئی نہ بچ سکا، اسلام کی عظیم الشان تاریخ ان کے نزدیک داستان کفر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ہے۔

یہ اللہ کی وحدت کے قائل نہیں ہیں، اس کی ہر صفت کمالیہ کی نفی کرتے ہیں، اللہ کو جاہل، عاجز اور بے بس سمجھتے ہیں نعوذ باللہ من ذلک، قرآن کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ آج مسلمانوں کے ہاتھ میں جو قرآن ہے وہ مکمل نہیں ہے، وہ قرآن

(۱) شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ابوبکر الصدیق (جمع وتقدیم: محمد مال اللہ) ص ۷۔

جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا، اس میں بہت سی آیات نکال دی گئی ہیں، بعض فرقے تو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ موجودہ قرآن جعلی ہے، اصل قرآن وہ ہے جسے امام غائب اپنے ساتھ غار میں لے کر گئے، وہ قرآن موجودہ قرآن سے تین گنا زیادہ ہے اور موجودہ قرآن کا کوئی لفظ اس میں موجود نہیں ہے۔

غور فرمائیے وہ قرآن جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ نے لی ہے، اس کا فرمان ہے: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾ جس کی تدوین وترتیب اور لہجہ سب منزل من اللہ ہے، رافضی حضرات اسے غیر معتبر مانتے ہیں، احادیث جو اسلام کا مصدر ثانی ہے، اس کا پورا سرمایہ ان کے نزدیک ساقط الاعتبار ہے، وہ بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی سے کہتے ہیں کہ حاملین حدیث اور تدوین حدیث کا کام کرنے والے نبی ﷺ کی وفات کے بعد سب کے سب مرتد ہو گئے، ان کے نزدیک صرف بارہ اماموں کے فرضی اقوال ہی حدیث کا درجہ رکھتے ہیں۔

وہ صحابہ کرام جو آغوش نبوت کے پروردہ اور قرآن وحدیث کے براہ راست فیض یافتہ تھے، مجرمین کا یہ سبائی ٹولہ انہیں مرتد اور غاصب کہتا ہے، ان کو سبّ وشتم اور لعن طعن کرتا ہے اور اسے عین ایمان سمجھتا ہے، کلینی سے خمینی تک شیعہ کے تمام علماء کا یہی عقیدہ اور ایمان ہے، اب ذرا شیعہ حضرات کے ان بنیادی عقائد پر نظر ڈالئے کہ کس طرح انہوں نے اسلامی عقائد کے مقابلے میں ایسے عقائد ایجاد کئے جو اسلامی تعلیمات کے مکمل طور سے متناقض ہیں۔

۱- الوہیت کا عقیدہ: یہ پہلا عقیدہ تھا جسے عبداللہ بن سبا نے ایجاد کیا، اس نے دعوی کیا کہ حضرت علی الہ ہیں اور ان کے اندر خود اللہ حلول کئے ہوئے ہے۔

۲- عقیدۂ رجعت: یہ ایک خالص مسیحی عقیدہ ہے، جسے عبداللہ بن سبا نے اسلامی عقائد میں شامل کرنا چاہا، اس نے اعلان کیا کہ حضرت عیسی کی طرح حضور اکرم ﷺ کی بھی رجعت ہوگی، اسی طرح سبائی عقیدہ ہے کہ حضرت علی کی نہ وفات ہوئی ہے اور نہ ہی وہ قتل ہوئے ہیں۔

۳- عقیدۂ امامت: شیعوں کا عقیدہ ہے کہ امامت دین کی اصل ہے، اس کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا ہے، ان کی نظر میں عقیدۂ امامت عقیدہ توحید (لا الہ الا اللہ) عقیدۂ رسالت (محمد رسول اللہ) اور عقیدۂ آخرت سے بڑھ کر ہے، امامت کا مطلب ہے دین ودنیا سے متعلق مسائل کا اعلی ترین ذمہ دار امام ہے جو نبی کا نائب ہے، منصب نبوت کی طرح یہ بھی منزل من اللہ فریضہ ہے، نبی کا یہ فرض تھا کہ وہ منصب امامت کو قوم کے بجائے متعین امام کے سپرد کرتا جو نبی کی طرح معصوم اور گناہ کبیرہ وصغیرہ سے پاک ہے، ان کے نزدیک امامت کے مستحق اور اوصاف امامت کے حامل صرف حضرت علی تھے، پھر یہ اوصاف ان کی اولاد میں منتقل ہو گئے، اس لئے امامت کے حقدار صرف حضرت علی کی اولاد ہے، یہ کل بارہ امام ہیں جو من جانب اللہ مامور ہیں، انبیاء اور رسل کی طرح ان کی اطاعت ضروری ہے، انہیں ما کان اور ما یکون کا علم ہے، یہ ائمہ براہ راست اللہ سے علم حاصل کرتے ہیں، ان کے پاس فرشتہ آتا ہے، وحی آتی ہے، ان پر الہامی کتابوں کا نزول ہوتا ہے، قدیم آسمانی

کتابیں (تورات، انجیل، زبور) اپنی اصل شکل میں ان کے پاس موجود ہیں، ان ائمہ کو تشریعی اختیارات حاصل ہیں، انہیں اپنی موت کا علم ہے۔

۴-امام غائب: امام غائب مہدی منتظر ہیں، وہ "سر من رأی" شہر کے ایک غار میں چھپے ہوئے ہیں، یہ آخری امام قیامت تک زندہ رہے گا، مناسب وقت پر غار سے برآمد ہوگا اور اہل سنت والجماعت سے قتال کرے گا۔

۵-تقیہ: تقیہ کا مفہوم ہے دل میں جو کچھ ہے اس کے خلاف ظاہر کرنا، ان کا تقیہ کذب اور نفاق کا مترادف ہے، یہ کذب اور نفاق شیعیت کی دینی اساس ہے، رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ جس نے تقیہ نہیں کیا وہ مومن نہیں ہے، ان کی ایک روایت کے مطابق جعفر کا قول ہے: ''تقیہ میرا اور میرے آباء واجداد کا دین ہے، جس نے تقیہ نہیں کیا وہ مومن نہیں ہے''۔(۱) وہ نفاق جو ناقض ایمان ہے وہ شیعوں کے نزدیک اساس ایمان ہے، یہ تقیہ ہی شیعوں کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، جس کے ذریعہ وہ مسلم معاشرہ میں شامل ہوکر ہر دور میں مسلمانوں کا شیرازہ منتشر کرتے رہے ہیں اور آج بھی اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں۔

۶-عقیدہ ولاء وبراء: عقیدہ ولاء کا مطلب ہے کہ بارہ اماموں کے لئے اپنی محبت اور وفاداری کا اظہار اور برأت کا مطلب ہے اعداء دین سے برأت، یہ دشمن کون ہیں؟ ان کے نزدیک یہ دشمن اہل السنۃ والجماعت، صحابہ کرام اور سب سے بڑے دشمن خلفائے راشدین باستثنائے حضرت علی ہیں۔

۷-عقیدۂ بداء: یہ شیعوں کا بدترین عقیدہ ہے جس کا مفہوم ہے، بسا اوقات نامعلوم اسباب کی بنا پر اللہ تعالی اپنے ارادہ میں تبدیلی کر دیتا ہے، وہ سبب پہلے اللہ کو نہیں معلوم تھا، بعد میں اسپر ظاہر ہوا۔

۸-کتمان: تقیہ کی طرح کتمان بھی ان کے عقیدے کا ایک اہم جز ہے، کتمان کا مطلب ہے کہ ائمہ کو اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے کہ وہ عقیدۂ امامت کا اظہار نہ کریں بلکہ اس کو چھپائیں، کلینی نے امام جعفر کے حوالہ سے لکھا ہے: ''امام جعفر نے فرمایا: اے سلیمان تم اسے دین پر ہو کہ جو شخص اس کو چھپائے گا، اس کو اللہ کی طرف سے عزت عطا ہوگی اور جو اس کو ظاہر کریگا، اس کو اللہ ذلیل اور رسوا کرے گا''۔(۲)

۹-متعہ (بدکاری اور زنا کاری): زنا کاری کی مذمت دنیا کے ہر مذہب نے کی ہے اور اس انسانیت سوز جرم کے لئے عبرت ناک سزا مقرر کی ہے، صالح اور صحت مند معاشرہ کے لئے زنا ایک خطرناک ناسور ہے جو پورے معاشرہ کو برباد کر دیتا ہے، اکیلا شیعہ مذہب ہے جو زنا کو متعہ کا نام دے کر، اسے اعلی ترین عبادت کا درجہ دیتا ہے، زنا کے فضائل میں بے شمار روایتیں گڑھی گئیں، بدکاروں اور زانیوں کے فضائل کا مطالعہ کرنا ہو تو شیعوں کی کتابیں مثلا ملا باقر مجلسی کی منہاج الصادقین، کلینی کی

(۱) اصول الکافی ۱/۴۸۳ بحوالہ ڈاکٹر محمد کامل الہاشمی: عقائد الشیعۃ في المیزان۔
(۲) ابوجعفر کلینی: اصول کافی ص ۴۸۵ بحوالہ محمد یوسف نگرامی: حقیقت رافضیت ص ۱۷۹۔

کافی اور اصول کافی اور خمینی کی تحریر الوسیلۃ کا مطالعہ کریں۔

۱۰-فقہ جعفری: شیعوں کے عقیدہ کے مطابق فقہ جعفری کے بانی امام جعفر صادق ہیں، یہ فقہ کا مجموعہ شیعوں کے عقائد کی تشہیر، کذب وافترا، سب وشتم اور خرافاتی مسائل پر مشتمل ہے، فقہ جعفری کے مندرجہ ذیل بنیادی مآخذ ہیں۔(۱)

۱-ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی م ۳۲۹ھ: اصول کافی

۲-محمد بن بابویہ قمی الملقب صدوق م ۳۸۱ھ: من لا یحضرہ الفقیہ

۳-محمد بن حسن طوسی (شیخ الطائفہ) م ۴۶۰ھ: التہذیب والاستبصار

۴-تفسیر حسن عسکری: اس تفسیر کی نسبت امام حسن عسکری کی جانب کی جاتی ہے۔

۵-ابوالحسن علی بن ابراہیم بن ہاشم قمی م ۳۰۷ھ: تفسیر قمی

۶-محمد بن سعود العیاشی م ۳۲۰ھ: تفسیر العیاشی

۷-محمد بن مرتضی م ۱۰۷۵ھ: تفسیر الصافی

۸-ہاشم البحرانی م ۱۱۰۷ھ: البرہان فی تفسیر القرآن

۹-محمد باقر مجلسی م ۱۱۱۱ھ: بحار الانوار

۱۰-مقداد بن عبداللہ السیوری الحلی م ۹۰۷ھ: کنز العرفان

۱۱-احمد بن محمد الأردبیلی م ۹۹۳ھ: زبدۃ البیان

شیعہ مذہب کا ماخذ:

شیعہ مذہب کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام سے اس مذہب کا ادنی سا تعلق نہیں ہے، اسلام کے بنیادی مآخذ قرآن ان کے نزدیک محرف ہے، احادیث کا سرمایہ ساقط الاعتبار ہے، حاملین کتاب وسنت مرتد اور بے دین ہیں، اب بتائیے اسلام سے ان کا کون سا رشتہ باقی رہ گیا؟ ان نام نہاد دانشوروں اور روشن خیال مسلمانوں کی عقلوں پر ماتم کرنے کا جی چاہتا ہے، جو اسلام اور شیعیت کے رشتوں کا سراغ لگا رہے ہیں اور دونوں کو قریب لانے کے لئے کوشاں ہیں، اتحاد کے لئے کوئی قدر مشترک اور نکتہ اشتراک تو ہونا چاہئے؟

شیعیت دراصل اسلام سے قبل کے مذاہب اور فلسفوں کا نچوڑ ہے، خاص طور سے ایران کے مجوسی تمدن اور عقائد کی اس مذہب پر گہری چھاپ ہے، اسی طرح عیسائیت اور یہودیت سے بھی اس کے رشتے کافی مستحکم ہیں، ان تینوں مذاہب کے مشرکانہ عقائد شیعی مذہب کے بنیادی عناصر ہیں، ڈاکٹر محمد کامل ہاشمی نے اپنی کتاب ''عقائد الشیعہ فی المیزان'' میں شیعیت کے مآخذ کے بارے میں تفصیلی بحث کی ہے، ان کے خیال میں حلول، تناسخ اور تعدد الہ ایرانی مذہب کا بنیادی عقیدہ تھا، ایرانی

(۱) ماخوذ از: ڈاکٹر محمد یوسف نگرامی: حقیقت رافضیت ص ۱۹۲، ۱۹۶، اردو ترجمہ: محمد شعیب نگرامی۔

مذہب بخت نصر کے عہد سے یہودیت سے متاثر تھے، بخت نصر یہودیوں کو قیدی بنا کر ایران لے گیا اور دینار دنامی یہودی عورت سے شادی کی، اس طرح ایرانیوں کا یہودیوں سے سماجی اور خونی رشتہ قائم ہوگیا، ایرانیوں نے کتمان اور تقیہ کا عقیدہ یہودیوں ہی سے لیا، ڈاکٹر ہاشمی کہتے ہیں: جس منصوبہ کے ذریعہ سینٹ پال نے مسیحیت کو برباد کیا، عبداللہ بن سبا نے اسی منصوبہ کے ذریعہ اسلامی عقائد کو داغ دار کرنے کی کوشش کی، مجوسیوں نے تثلیث اور حلول کا عقیدہ عیسائیوں سے لیا، پسندیدہ قوم کا نظریہ بھی ایرانیوں نے یہودیوں سے اخذ کیا۔(۱)

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ م۱۸۲۴ء کا بھی یہی خیال ہے، آپ لکھتے ہیں: ''ہم نے دیکھا کہ شیعہ مذہب کفار کے پانچ فرقوں کے مذہب سے جو یہودی، نصرانی، صابئین، ہندو اور مجوس ہیں، ان میں سے اکثر کفار تصنیف وتالیف علما اور کتابوں کے وجود سے ممتاز ہیں اور شہرت وکثرت میں بھی مستثنی ہیں، خواہ اصول میں ہو یا فروع میں ہو، بہت مشابہت رکھتا ہے اور ملت حنیفیہ کے مخالف ہے، اگر ہم غور کریں تو گویا ان کا مذہب ان پانچوں فرقوں کے مذاہب کی مجموعی ہیئت ہے اور ان پانچوں مذاہب میں سے ہر ایک مذہب سے ایک بات حاصل کی ہے۔(۲)

ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے شیعوں کی دشمنی کا محرک:

شیعوں کی نظر میں ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ان کے سب سے بڑے دشمن ہیں، ان کی زندگی کا ہر پل، ہر لمحہ ان دونوں پر لعنت بھیجنے میں گذرتا ہے، شیعہ حضرات ان دونوں کو الصنمان الاکبران، طاغوت نعثل اور نہ جانے کیا کیا نام دیتے ہیں، ان کی عداوت کا بنیادی سبب یہ ہے کہ شیعہ مذہب کا مرکز ایران ہے، اور آبائی مذہب مجوسیت ہے، شیعیت اور مجوسیت میں صرف اس قدر فرق ہے کہ شیعہ حضرات نے اپنے مذہب کے لئے تمام کردار اسلامی تاریخ سے اخذ کیا اور انہیں اپنے نظریات کے پیکر میں ڈھال دیا، ان کی ہٹ لسٹ میں پہلا نام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے، کیونکہ مجوسی آتش کدہ کو بجھانے کا آغاز انہوں نے کیا اور پھر عمر رضی اللہ عنہ نے ایران کو فتح کر کے ایرانی ملوکیت کو جڑ سے اکھاڑ دیا، ایرانیوں کے نزدیک شہنشاہ خدا کا درجہ رکھتا ہے، اور شہنشاہیت کو ختم کر کے عمر رضی اللہ عنہ نے ایرانی خداؤں کے وجود کو ختم کر دیا، جس کے نتیجے میں انہیں یہودیت اور ایرانی سازش کا شکار ہونا پڑا۔

اتفاق کی بات ہے کہ ایران کے آخری شہنشاہ یزدجر کی بیٹی شہر بانو قید ہو کر آئی اور حسین بن علی نے اس سے شادی کر لی، حضرت حسین کے بیٹے علی زین العابدین اور ان کی اولاد کی رگوں میں ماں کی جانب سے ساسانی خون دوڑنے لگا، اس موقع سے ایرانیوں نے فائدہ اٹھایا، ان کی محبت کے پردے میں مظلومیت کے بے شمار داستانیں تصنیف کی گئیں اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور صحابہ کرام کو ظالم غاصب کہہ کر اپنے معاندانہ جذبات کا اظہار کرنے لگے، ڈاکٹر براؤن لکھتے ہیں: ''عمر بن خطاب سے ایرانیوں کو عداوت اس لئے نہیں تھی کہ انہوں نے علی اور فاطمہ کے حقوق غصب کر لئے تھے بلکہ اس لئے تھی کہ

(۱) دکتور محمد کامل ہاشمی: عقائد الشیعۃ فی المیزان ص۲۰۔ (۲) شاہ عبدالعزیز دہلوی: تحفہ اثنا عشریہ اردو ترجمہ ص۵۶۸۔

انہوں نے ایران کو فتح کیا۔(۱) یہ واضح رہے کہ شیعہ حضرات دنیا کے کسی گوشے میں ہوں ان کی وفاداری نہ اپنے قوم سے ہوتی ہے اور نہ اپنے وطن سے وہ صرف ایران کے وفادار ہوتے ہیں، کیونکہ ایران ہی ان کی ملوکیت کا مرکز ہے۔(۲)

شیعہ حضرات کے سب سے بڑے دشمن ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں، لیکن میرا موضوع صرف صدیق اکبر کی ذات ہے، اس لئے میں صرف انہیں کا ذکر کروں گا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے مخلص دوست تھے، اسلام اور پوری ملت اسلامیہ ان کے احسانوں سے سبک دوش نہیں ہوسکتی ہے، اسلام کے لئے ان کی بے پناہ قربانیوں کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے، اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں وہ محبوب تھے، صحابہ میں وہ ہر دل عزیز تھے، وہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے، انہیں جنت کے ہر دروازہ سے پکارا جائے گا، وہ افضل البشر بعد الانبیاء ہیں، ان کی چار نسلیں بیک وقت صحابیت کے شرف سے سرفراز تھیں، ان کی شخصیت میں کہیں کوئی لوچ اور رخنہ نہیں تھا، لاکھ پاپڑ بیلنے کے باوجود ان کی ذات میں داغ کا تلاشنا ناممکن ہے، جس نے ان سے عداوت رکھی، اس نے احادیث رسول اور نصوص قرآنیہ کو جھٹلایا، قرآن وحدیث کو جھٹلانے والا بالاتفاق کافر ہے، ان پر الزامات لگانا کوئی معمولی بات نہیں ہے، جب ان کی شخصیت کے قلعہ میں دراڑ پیدا کرنا ناممکن ہوا تو شیعوں نے بے پر کی اڑانا شروع کردیا، جھوٹی کہانیاں تراشی گئیں، مظلومیت کی داستان کو پر اثر بنانے کے لئے جھوٹی احادیث اور داستانیں تصنیف کی گئیں، قرآنی آیات میں تحریف کی گئی اور جھوٹ اس قدر بولا گیا کہ سچ لگنے لگے تاکہ سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت کا بیج بویا جاسکے۔

افسوس کہ خلیفۂ اول، خلیفۂ ثانی، خلیفۂ ثالث اور اجلۂ صحابہ کو چودہ سو سال سے مسلسل گالیاں دی جارہی ہیں، ان پر لعنت بھیجی جارہی ہے اور ہم ہیں کہ اپنی وسیع النظری کا ثبوت دینے کے لئے انہیں اسلامی انقلاب کا داعی سمجھ رہے ہیں، عقل ودانش کے علم بردارو! اپنی عظیم الشان تاریخ پر فخر کرنے والو! تمہیں کچھ خبر ہے کہ نہیں کہ تمہیں دیمک کی طرح چاٹنے والے کون ہیں؟ تاریخ کا کون سا دور ہے؟ جس میں ان کی جفاؤں، ستم رانیوں اور غداریوں نے مسلم سلطنتوں کو تباہ نہ کیا ہو۔

رافضی علماء نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلاف جن جرائم کا محضر نامہ تیار کیا ہے، الحمد للہ علما اہل سنت والجماعت نے انہیں تار عنکبوت بنادیا، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے منہاج السنۃ اور اپنے مختلف فتاوؤں میں، ان کے الزامات کا عقلی اور نقلی ہر دو اعتبار سے تسلی بخش جواب دیا، وہ سب سے پہلے رافضی کا دعوی اور دلیل ذکر کرتے ہیں اور ان کی روایات کی قلعی کھولتے ہیں، پھر نصوص قرآن اور احادیث سے مختلف وجوہ سے ان کا رد کرتے ہیں، ہندوستان میں شاہ عبد العزیز دہلویؒ نے فارسی زبان میں تحفہ اثنا عشریہ لکھ کر دفاع اسلام کا حق ادا کردیا، آپ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اوپر لگائے گئے ایک ایک الزام کا تجزیہ کیا، ان کی جھوٹی روایتوں کی قلعی کھول دی، معاصرین میں علامہ احسان الٰہی ظہیر نے خود شیعوں کی کتابوں سے ان کے عقائد اور اصولوں پر ضرب کاری لگائی۔

(۱) ڈکٹر براؤن: تاریخ ادبیات ایران ۱/۲۱۷۔ (۲) دکتور محمد کامل ہاشمی: عقائد الشیعہ فی المیزان، ص ۲۰۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی ؒ نے تحفہ اثنا عشریہ میں رافضیوں کے بارہ اعتراضات کا ذکر کیا، ان کے دلائل کا ذکر کیا پھر ہر اعتراض کا مختلف وجوہ سے جواب دیا، یہاں بطور مثال ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ایک طعن کا ذکر کرتا ہوں، شاہ صاحب ذکر کرتے ہیں کہ شیعوں کا اعتراض ہے کہ حضرت خالد ؓ نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا اور اس کی بیوی سے شادی کر لی، شادی کی رات اس سے مجامعت کی، عدت وفات گزرنے کا انتظار نہ کیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد پر نہ زنا کی حد جاری کی اور نہ ان سے قصاص لیا، حالانکہ قصاص کی تکمیل اور حد کی اجرا واجب تھی، عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر اعتراض کیا اور خالد سے کہا: اگر میں والی ہوتا تو تم سے ضرور قصاص لیتا۔

شاہ صاحب نے ان کے اس اعتراض کا پانچ طرح سے جواب دیا:

۱- مالک بن نویرہ نے ارتداد کا ارتکاب کیا تھا، اس لیے وہ واجب القتل تھا، حضرت خالد نے شادی کی رات اس عورت سے صحبت کی یہ کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں ہے۔

۲- اگر ہم مان بھی لیں کہ مالک مرتد نہیں تھا پھر بھی اس کے اعمال شاہد ہیں کہ اس کا ایمان مشکوک تھا، ایسی صورت میں قتل کرنے پر قصاص لازم نہیں آتا ہے۔

۳- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہی کیا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا، اسی طرح کا ایک واقعہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا: "اللهم اني أبرء اليك مما نصع خالد" اے اللہ میں تیری طرف اس بات سے بے ذمہ ہوں جو خالد نے کیا، آپ نے خالد پر نہ کوئی قصاص جاری کیا نہ دیت طلب کی کیونکہ ان کے دل میں کفر کا شبہ ہوا تھا۔

۴- اگر مالک کے قصاص نہ لینے پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اثر پڑتا ہے تو حضرت علی نے حضرت عثمان کا قصاص نہیں لیا، حضرت عثمان ؓ کے قتل کا کوئی سبب اور محرک بھی موجود نہیں تھا، اگر حضرت علی ؓ پر الزام عائد نہیں ہوتا ہے تو حضرت ابوبکر پر بدرجۂ اولی الزام عائد نہیں ہوتا ہے۔

۵- قصاص اس وقت واجب ہوتا ہے جب مقتول کے وارثین اس کا مطالبہ کریں، مالک بن نویرہ کے وارثین کا مطالبۂ قصاص ثابت ہی نہیں ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ صدیق اکبر کی شخصیت کو مجروح اور داغ دار کرنے کے لئے اس سبائی ٹولے نے ہر ممکنہ کوشش کی اور جب کہیں سے کوئی رخنہ نہ تلاش کر سکے تو معمولی بحثیں، ادنی مشاجرات جو بتقاضائے بشریت صحابہ کرام میں واقع ہوئیں انہیں بنیاد بنا کر صدیق اکبر پر کیچڑ اچھالنے کی ناکام کوشش کی، عقل وفہم سے کورے، عدل وانصاف سے عاری اور کذب ونفاق کے خوگر اس سبائی ٹولے کی نیت ہی میں کھوٹ ہے، ان کا مقصد تو صرف ایک ہے، اسلام کے اولین گروہ جس کے سرخیل ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں ان کی بے لوث قربانیوں اور ان کے اخلاق، سیرت اور کردار کو متہم کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔

شیعوں کے صدیق اکبر پر اعتراضات کا محور یہ ہے کہ ان کی خلافت ظلم وطغیان پر مبنی ہے، خلافت کا حق صرف حضرت علی

کا تھا جسے شیخین نے سانٹھ گانٹھ کر کے ان سے چھین لیا، حضرت فاطمہ کو میراث سے محروم کیا، دختر نبی پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، ان الزامات کا کوئی تاریخی ثبوت نہ مل سکا تو بے شمار افسانے اور کہانیاں تراشی گئیں، جھوٹی احادیث کا ڈھیر لگایا گیا اور یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی گئی کہ وہ نفوس قدسیہ جن سے اللہ اور اس کے رسول خوش تھے، جن کی تعریف وتوصیف اللہ نے متعدد مقامات پر کی، معاذ اللہ ان کی نیتیں نیک نہیں تھیں، یہ صرف دکھاوے کے مسلمان تھے، حقیقت یہ ہے کہ یہ الزامات ان پر نہیں ہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول پر لگائے جارہے ہیں گویا اللہ کو معلوم ہی نہیں ہے کہ جن کی تعریف وہ کررہا ہے وہ صدق وصفا کے پیکر نہیں حرص وآز کے بندے ہیں، رسول کو خبر ہی نہیں کہ جن انصار ومہاجرین کو وہ اپنا دست راست بنائے ہوئے ہیں، وہ صحابہ جو ہمہ وقت اللہ اور اس کے رسول کی ایک آواز پر مر مٹنے کے لئے نہ صرف تیار ہیں بلکہ مر مٹے، ان کی شہادتیں اور قربانیاں سب مصنوعی تھیں، گویا رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا مشن بالکل ناکام تھا، آپ کی تئیس سال کی محنت شاقہ اور جدوجہد کے نتیجے میں صرف چار پانچ نفر صدق دل سے مسلمان ہوئے اور باقی لوگ اسلام قبول کر کے زندگی بھر آپ کو دھوکہ دیتے رہے، العیاذ باللہ۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ انبیاء کے بعد سب سے افضل تھے، یہ امت مسلمہ کا اجماع ہے، اس مقالہ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ شیعوں کے اعتراضات کا جائزہ لینے کے بجائے، آپ کی افضلیت اور اکملیت کے مختلف گوشوں کو اجاگر کروں، تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ جس شخصیت کو شیعہ حضرات ہدف ملامت بنارہے ہیں، اس کا نام ذات نبوت اور رسالت کے بعد اسلام کے ہر شعبہ میں اور حیات اسلامی کے ہر گوشہ میں سب سے نمایاں ہے، رفاقت نبوی ہو یا دعوت دین کی تڑپ یا جسمانی اور مالی قربانی، کہیں بھی کوئی ان کا ہم سر نظر نہیں آتا ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ عظمت صحابہ کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لئے اور شیعیت کے پرفریب نعروں اور خطرناک منصوبوں سے بچنے کے لئے اسلام کی عظیم شخصیات کی زندگیوں کے ان حقائق کو منظر عام پر لایا جائے جنہیں یہ دشمن اسلام مدتوں سے نشانہ بنائے ہوئے ہیں، تاکہ جو اسلامی تحریکیں ان کے گمراہ کن پروپیگنڈوں کے دام میں پھنسنے سے بچ گئی ہیں وہ کلینی اور خمینی کے شکاری پنجوں سے محفوظ رہیں۔

اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ انبیاء علیہ السلام کے بعد دنیا کی سب سے بہتر، افضل، اشرف اور اکرم شخصیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت ہے، آپ کی سیرت کا ہر گوشہ، ہر پہلو افضلیت کا عکاس اور آئینہ دار ہے، سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے عہد شباب اور پھر بعثت نبوی سے رحلت تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہر لمحہ، ہر پل آپ ﷺ کی رفاقت میں گذرا، آپ نے اپنی پوری زندگی، مال ومنال، آل واولاد سب کچھ دفاع نبی، تحفظ اسلام اور دعوت دین کے لئے وقف کردیا۔

اللہ رب العالمین نے جس طرح حضرت محمد ﷺ کو رسالت کے لئے منتخب کیا اور صغرسنی ہی سے آپ کو رسالت کے قالب میں ڈھال دیا، آپ سے کسی ایسے عمل کا صدور نہیں ہونے دیا جو رسالت کے منافی تھا، اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سیرت وکردار کو اس نے اس طرح تراشا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دست راست، رفیق اور دعوت دین کے ناخدا بن سکیں، آپ کے اندر ایسی استعداد اور صلاحیت پیدا کی کہ وہ رفاقت نبوت سے سرفراز ہوسکیں۔☆☆ (جاری)

عدالت صحابہ سے متعلق اہل سنت کا عقیدہ

(۱)

مولانا عبدالمتین مدنی
استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

وہ نفوس قدسیہ جن کو صحابہ کرام کے نام سے جانا جاتا ہے، ان کی عظمت وشرف کے لئے نسبت صحابیت ہی کافی ہے، وحی الٰہی کے اولین مخاطب اور احکام دین کے اولین عامل وحامل، رب کریم نے جن کو اپنے نبی کی صحبت ورفاقت اور دین کی دعوت وخدمت کے لئے منتخب فرمالیا، اس مقدس جماعت نے اس خدمت کو بحسن وخوبی انجام دے کر یہ ثابت کردیا کہ اس شرف ومنزلت کے بجا طور پر وہ مستحق تھے۔

اہل سنت صحابہ کرام سے محبت رکھتے ہیں، ان کی قدر کرتے ہیں، ان سے ولاء رکھتے ہیں، ان کے محاسن کو بیان کرتے ہیں، ان کے مشاجرات پر سکوت اختیار کرتے ہیں اور تمام صحابہ کرام کی عدالت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ کتاب وسنت کے نصوص اور اقوال سلف پر مبنی ہے، ان نصوص کے ذکر سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ صحابی اور عدالت کی مختصر تشریح کردی جائے۔

صحابی: وہ شخص جسے بحالت ایمان اللہ کے رسول سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور ایمان پر اس کی وفات ہوئی، اگرچہ ملاقات مختصر ہی رہی اور اگرچہ درمیان میں ردت واقع ہوئی۔(۱)

بعض ائمہ حدیث نے شرف صحابیت کے لئے ملاقات کے وقت حالت تمیز کی بھی شرط لگائی ہے اور ایسے افراد کو صحابہ کرام میں شمار نہیں کیا جن کی ملاقات تمیز کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہوئی۔(۲)

عَدْل: لغت میں مصدر ہے جس کا معنی ہے انصاف کرنا، اس کی جمع عُدول آتی ہے، محاورات میں عدل اس شخص کو کہا جاتا ہے جو حق وانصاف پر قائم ہو۔(۳)

شرعاً عدل کا معنی راہ حق میں ایسے امور سے اجتناب کرتے ہوئے جو شرعاً ممنوع ہیں، استقامت اختیار کرنا۔(۴)

محدثین کی اصطلاح میں عدل ایسے راوی کو کہتے ہیں جو مسلمان، عاقل، بالغ، فسق کے اسباب سے بچنے والا یعنی کبیرہ گناہوں کا ارتکاب اور صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنے والا نہ ہو، نیز انسانی شرافت ومروت کے خلاف بھی کوئی کام کرنے والا نہ ہو۔(۵)

حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ عدل کون ہے، فرمایا جو پانچ خوبیوں کا حامل ہو: ۱- نماز

(۱) لوامع الانوار ۱/۵۲۔ (۲) التقیید والایضاح: ۲۵۲۔
(۳) لسان العرب ۱۱/۴۳۰، النہایۃ فی غریب الحدیث: ۵۹۶۔ (۴) التعریف للجرجانی: ۱۴۷۔
(۵) من أطیب المنح ص ۱۳۔

باجماعت کا پابند،۲-شراب نوشی سے پرہیز کرنے والا،۳-اس کے دین میں کھوٹ نہ ہو،۴-جھوٹا نہ ہو،۵-عقل کے اعتبار سے درست ہو۔(۱)

عدل کی مذکورہ بالا تشریحات کی روشنی میں بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ الصحابة کلھم عدول صحابہ کرام کی پوری جماعت منصب عدالت پر فائز تھی،اس لئے مذکورہ اوصاف ان میں بدرجۂ اتم واکمل موجود تھے،اگر شرعی تقاضے کے مطابق ان میں سے بعض سے بعض خلاف شرع کام سرزد ہوگئے تو یہ ان کی عدالت کے لئے قادح وجارح نہیں ہیں،امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے نیکی اور اطاعت کے کام کئے ہوں اور اس سے معصیت کا ارتکاب ہی نہ ہوا ہو سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے اور نہ کوئی ایسا شخص جس نے معصیت کا کام کیا ہو اور اس سے نیکی کا کام نہ ہوا ہو،اس لئے اگر کسی شخص کے اعمال میں اغلب اطاعت ونیکی ہے تو وہ معدَّل (تعدیل شدہ) ہے اور اگر اغلب معصیت ہے تو وہ مجرَّح (فاسق) ہے۔(۲)

عدالت صحابہ کے دلائل:

صحابہ کرام اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کی آنے والی امت کے درمیان حلقۂ وصل ہونے کے اعتبار سے خصوصی فضل وامتیاز کے حامل ہیں،ان کو قرآن وسنت اور اجماع امت سے سند عدالت حاصل ہے،فرمان الٰہی ہے:

۱- ﴿وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (سورہ توبہ: ۱۰۰) وہ مہاجرین وانصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان کے قبول کرنے میں سبقت کی اور جو بعد میں راست بازی کے ساتھ ان کے نقش قدم پر چلے،اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے،اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے،یہ عظیم کامیابی ہے۔

آیت کریمہ میں اللہ نے صحابہ کرام کے دونوں طبقوں کو یہ بشارت دے دی کہ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں اور ان نفوس قدسیہ کا مقام ودوام جنت ہے،علامہ عبدالبر لکھتے ہیں: جن سے اللہ راضی ہو گیا پھر ان سے کبھی ناراض نہ ہوگا،شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور علامہ سفارینی نے لکھا ہے کہ کسی کے واسطے اللہ کی رضا کا اعلان اس بات کی ضمانت ہے کہ اس کا خاتمہ اور انجام بھی اسی حالت صالحہ پر ہوگا اور اس سے رضائے الٰہی کے خلاف کوئی کام آئندہ بھی نہ ہوگا،اس لئے کہ اللہ تعالی کو سب اگلی پچھلی چیزوں کا علم ہے۔(۳)

۲- ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ

(۱) الکفایۃ:۷۹۔ (۲) الکفایۃ:۷۹۔
(۳) توہین رسالت کی شرعی سزا ص۲۵۲۔

السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيْباً﴾ (سورہ فتح:۱۸) اللہ مومنوں سے خوش ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کررہے تھے، ان کے دلوں کو جو کچھ تھا اسے اس نے معلوم کرلیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی۔

حدیبیہ کے مقام پر جو بیعت صحابہ کرام سے لی گئی اس آیت کریمہ میں اسی بیعت کا ذکر ہے، اس بیعت کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے، کیونکہ آیت کریمہ میں یہ خوشخبری سنائی گئی ہے کہ جن لوگوں نے اس نازک ترین موقع پر اپنے صادق الایمان اور جانثار ہونے کا ثبوت پیش کیا اور رسول کے ہاتھ پر سرفروشی کی بیعت کی اللہ ان سے راضی ہوگیا۔

تفسیر روح المعانی کے مصنف علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اس آیت کریمہ کا عنوان یہ بتلا رہا ہے کہ صحابہ کرام سے اللہ کی رضا، ان کے ایمان واخلاص کی وجہ سے واقع ہوئی اور یہی ایمان واخلاص اللہ کی رضا کا منشا بنا جب کہ یہ عمل بیعت ان کے ایمان کامل کے ثبوت کے طور پر ظاہر ہورہا ہے جبکہ اس درخت کے نیچے بیعت ہورہی تھی، گویا یہ عنوان بلیغ ترین عنوان ہوا بنسبت اس کے رضی الله بيعتهم کیونکہ اس سے صرف اسی عمل میں خوشنودی کا اظہار ہوتا ہے۔(۱)

۳- وعن أبي سعيد الخدري رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ فَلَو أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهُ۔ (۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے صحابہ کو برا نہ کہو، حقیقت یہ ہے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرلے تو اس کا ثواب میرے صحابہ کے ایک مد یا آدھے مد ثواب کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔

اس حدیث سے ان صحابہ کرام کے بلند وبالا مرتبہ ومقام کا تعیین کرنا ہے کہ ان لوگوں کے کمال اخلاص وللّٰہیت کی بنا پر ان کا چھوٹا سا نیک عمل اپنے بعد والوں کے اسی طرح کے بڑے سے بڑے عمل پر بھاری ہے۔

۴- عن عبد الله بن مغفل رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ أَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِيْ فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَهُمْ وَمَنْ أَذَاهُمْ فَقَدْ أَذَانِيْ وَمَنْ أَذَانِيْ فَقَدْ أَذَى اللّٰهَ وَمَنْ أَذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ أَنْ يَّأْخُذَهُ۔ (۳)

اللہ سے ڈرو پھر اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے حق میں، میرے بعد تم ان صحابہ کو نشانہ ملامت نہ بنانا، جو شخص ان کو دوست رکھتا ہے تو میری وجہ سے ان کو دوست رکھتا ہے، اور جو شخص ان سے دشمنی رکھتا ہے تو وہ مجھ سے دشمنی رکھنے کے سبب ان کو دشمن رکھتا ہے اور جس شخص نے ان کو ایذاء پہنچائی اس نے گویا مجھ کو اذیت پہنچائی اور جس نے مجھ کو اذیت پہنچائی اس نے گویا اللہ کو اذیت پہنچائی اور جس شخص نے اللہ کو اذیت پہنچائی تو وہ دن دور نہیں جب اللہ اس کو پکڑے گا۔

(۱) روح المعانی ۱۳/۲۶۱۔ (۲) سنن الترمذی ۴/۴۳۵۔
(۳) سنن الترمذی ۴/۴۳۵۔

صحابہ کرام سے محبت رسول سے رکھنا ہے اس کا دو معنی مراد لیا جا سکتا ہے:

(۱) صحابی سے محبت رکھنا رسول سے محبت کی علامت ہے۔

(۲) جو شخص کسی صحابی سے محبت رکھتا ہے تو رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔

ان تمام نصوص کتاب وسنت سے صحابہ کرام کا مرتبہ ومقام، ان کے لئے اللہ کی رضا، رسول کی محبت نیز ان کی تعدیل، نیکی، قربانی، اخلاص، وفا، جانثاری اور اجر وثواب کی زیادتی ثابت ہوتی ہے، اس جماعت باصفا کو کتاب وسنت سے سند عدالت حاصل ہونے کے بعد اگر کوئی ان کی عدالت میں شک کرے یا انکار تو وہ خود ساقط العدالۃ قرار پائے گا۔ صحابہ کرام کی عدالت پر بجز خوارج وروافض کے پوری امت کا اجماع ہے۔

امام ابن عبدالبر تحریر فرماتے ہیں: تمام صحابہ عادل، رضا یافتہ، ثقہ، ثبت ہیں اور اس پر محدثین کا اجماع ہے۔(۱)

علامہ ابن صلاح تحریر فرماتے ہیں: امت کا تمام صحابہ کرام کی عدالت پر اجماع ہے، اور ان صحابہ کرام کی عدالت پر بھی جو ان میں سے فتنہ میں مبتلا ہو گئے، ان سے حسن ظن رکھنے اور دین کے لئے عظیم خدمات پیش کرنے کے سبب، گویا اللہ نے امت کو ان کی تعدیل پر جمع کر دیا، اس لئے کہ وہ اس کے دین کے ناقلین ہیں۔(۲)

علامہ سفارینی لوامع الانوار میں رقمطراز ہیں: اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ تمام صحابہ کو پاک وصاف سمجھے، ان کے لئے عدالت ثابت کرے اور ان پر اعتراضات کرنے سے بچے، اور ان کی مدح وتوصیف کرے، اس لئے کہ اللہ نے اپنی کتاب عزیز کی متعدد آیات میں ان کی مدح وثنا کی ہے، اس کے علاوہ اگر اللہ اور اس کے رسول سے صحابہ کی فضیلت میں کوئی بات منقول نہ ہوتی تب بھی ان کی عدالت پر یقین اور پاکیزگی کا اعتقاد رکھنا اور اس بات پر یقین رکھنا ضروری ہوتا کہ وہ نبی کے بعد ساری امت کے افضل ترین افراد ہیں، اس لئے کہ ان کے تمام حالات اس کے مقتضی تھے، انہوں نے ہجرت کی، جہاد کیا، دین کی نصرت میں اپنی جان ومال کو قربان کیا، اپنے باپ اور بیٹوں کی قربانی پیش کی، اور دین کے معاملہ میں باہمی خیر خواہی اور ایمان ویقین کا اعلی مرتبہ حاصل کیا، صحابہ کرام کے سلسلہ میں یہ مذہب پوری امت اور مستند ائمہ کرام کا ہے۔(۳)

مذکورہ تصریحات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی صحابہ کرام کی عدالت پر امت کا اجماع ہے۔

(جاری)

☆☆☆

(۱) التمہید لحوالہ معجم الصحابہ (محقق) ۱/۱۷۔ (۲) المقدمۃ ص ۲۶۰۔

(۳) لوامع الانوار ۲/۳۸۸۔

قدیم وجدید جاہلیت کی چند جھلکیاں

عبدالسمیع محمد ہارون انصاری سلفی
بھوارہ، مدھوبنی، بہار

اسلام اللہ کا دین ہے، جس کی ایک بنیادی دعوت توحید ہے، توحید اپنے معنی، مفہوم، تقاضوں اور فوائد واثرات کے اعتبار سے عظیم تعلیم الٰہی ہے، جس کے مطابق ہر طرح کی قدرت وطاقت، نفع وضرر، خلق وتصرف اور تمام امور ومعاملات کی باگ ڈور اسی ایک خالق ومالک حقیقی کے ہاتھ میں ہے، اس نے اسی پس منظر میں چند عقائد پر ایمان لانے کی تعلیم دی جس میں ایک تقدیر کے خیر وشر پر ایمان ہے، اس کے مطابق انسان کی زندگی میں پیش آنے والے ہر طرح کے خیر وشر کا فیصلہ قدرت نے قبل ہی کر دیا ہے، اس لئے جو کچھ ہوا، جو ہوگا اور جو ہو رہا ہے وہ سب تقدیر کے فیصلے کے مطابق ہے، اس میں ذرہ برابر تبدیلی کا کوئی سوال نہیں ہے، ایمان بالقدر ایک ایسا عظیم الشان عقیدہ ہے جس کی عظمت وحقیقت اور منفعت جاننے کے لئے صفحات درکار ہیں اور وہ ہم سر دست بیان کرنے سے قاصر ہیں، ہم یہاں قدیم جاہلیت کے ان چند غلط عقائد اور اوہام وخرافات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو کہیں نہ کہیں آج بھی جدید دور میں، بزعم خویش ترقی یافتہ دور میں موجود ہے اور بلاشبہ بنیادی طور پر ایک لفظ میں یہ عقیدۂ توحید میں نقص وفساد کے سبب ہے، ہر چند کہ قدیم جاہلیت کے باطل عقائد اور اوہام وخرافات اس علم سے محرومی ونادانی اور تمدن سے دوری کے سبب تھا تو آج بھی جدید دور میں ان باطل عقائد اور اوہام وخرافات کے پیچھے جہالت ونادانی کا بھی ہاتھ ہے، آپ کہیں گے کہ جدید دور کو جہالت ونادانی کا دور کیوں کر اور کیسے کہا جاسکتا ہے جبکہ آج کے دور میں علوم وفنون نے بڑی ترقی کی ہے، سائنس روز افزوں ترقی پذیر ہے، نئی نئی تکنیکوں نے، حیرت انگیز ایجادات نے اور ایک سے بڑھ کر ایک عجیب وغریب اکتشافات نے ہماری اس دنیا کو سراپا عجوبہ بنا دیا ہے، علوم وفنون میں اسی حیرت انگیز ترقی کے سبب تو آج کے دور کو بعض لوگوں نے علمی انفجار کا نام دیا ہے، پھر آج کے دور کو جہالت سے کیوں کر جوڑ کر دیکھا جاسکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ یہ سب باتیں اپنی جگہ صحیح دِکھ رہی ہیں مگر اصل جہالت وجاہلیت محض علم سے دوری نہیں ہے بلکہ یہ ایک وسیع وعریض مفہوم کا حامل ہے، علماء ومفسرین کے مطابق جاہلیت جہل سے مشتق ہے جس کا بنیادی معنی نہ جاننے، علم سے محروم ہونے اور نادانی وغیرہ کے ہیں، قدیم جاہلیت کے لوگ جن اندھے اور باطل عقائد اور اوہام وخرافات پر کاربند تھے وہ محض لاعلمی اور نادانی کے سبب نہیں تھے بلکہ اس کے پیچھے بنیادی طور پر عقیدہ توحید میں نقص وفساد، اندھی تقلید اور لکیر کے فقیر کی طرح روایت پرستی اور وہم وگمان کی وہ بے سوچے سمجھے پیروی تھی جس کے سبب ہی وہ گمراہ ہوئے، انسانیت سے عاری اور صالح اقدار ونیک اخلاق وعادات سے خالی ہوئے جس کے سبب ہی وہ مے نوشی کے رسیا، جوئے بازی کے دلدادہ اور ہر طرح کے شر وفساد اور معصیت کے کام پر آمادہ نظر آتے تھے، آج کے اس جدید دور کو، عالمی سطح پر، بنظر غائر ایک نگاہ میں دیکھ جایئے تو تقریباً وہی صورتحال جہالت وجاہلیت کی آج کے بزعم خویش ترقی یافتہ انسانی معاشرہ میں بھی ہے، الا ماشاء اللہ، اس جاہلیت میں کون سی خرابی تھی جو آج نہیں ہے بلکہ اگر انصاف ودیانت سے انسانی تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ قدیم جاہلیت میں کچھ نیک عادات وخصائل بھی موجود تھے، مگر آج .....؟ آج مے نوشی، جوئے

بازی، زنا کاری، لوٹ مار، قتل وفساد، حرام خوری، عریانیت اور دنیا بھر کے کتنے شرور ومعاصی ہیں جو آج کے دور میں نہ صرف موجود ہیں بلکہ عام ہیں اور قدیم جاہلیت بلکہ اس سے قدرے زیادہ آج کا یہ دور سماجی امن وسکون سے محروم ومفلوج ہے۔

سرِ دست ہم قدیم جاہلیت کے چند ان بنیادی باطل عقائد اور اوہام وخرافات کا ذکر قرآن کے حوالہ سے کررہے ہیں جو آج بھی کسی نہ کسی شکل میں جدید دور میں موجود ہے اور جس کے منفی اور برے اثرات انسان کے اخلاق واقدار پر پڑ رہے ہیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ان میں سے کئی باطل عقائد کچھ کچھ مسلمانوں میں بھی موجود ہیں اور ظاہر ہے یہ سب محض لاعلمی ہی نہیں عقیدۂ توحید میں نقص وفساد کے سبب ہے۔

اللہ نے اہل کتاب میں رائج ایک باطل عقیدہ، جو قدیم جاہلیت میں بھی موجود تھا، اس بابت ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ألم تر الى الذين يؤمنون بالجبت والطاغوت، ويقولون للذين كفروا هؤلاء أهدى من الذين آمنوا سبيلا﴾ (النساء:۵۲-۵۱) یعنی آپ نے کیا انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے؟ جو بت کا اور باطل معبود کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست پر ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے لعنت کی ہے اور جسے اللہ لعنت کردے تو اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔ اس آیت میں بنیادی طور پر جبت اور طاغوت پر ایمان کی سخت نفی کی گئی ہے، جبت کے اصل معنی بے حقیقت اور بے فائدہ چیز کے ہیں، اس میں بت پرستی، کاہن وساحر پر ایمان ویقین رکھنا، سب داخل ہے، اسلام کی زبان میں جوتش، فال گیری، شگون وبدشگونی اور مہورت وغیرہ سب جبت میں داخل ہیں، سنن ابو داود میں ہے کہ پرندے اڑا کر، فال گیری کرنا اور بدشگونی لینا یہ سب جبت ہیں۔ (اسی طرح طاغوت بھی ایک جامع لفظ ہے، جس سے ہمیں بہ سبب اختصار یہاں بحث نہیں ہے)، اس آیت کی روشنی میں کہانت وساحری اور مہورت وجوتش کی صورتحال کا تب اور اب کے جاہلیت میں جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا کہ دونوں مشترکہ طور پر اس باطل عقیدہ میں کس طرح لت پت ہیں، یہ سب اوہام وخرافات آج بھی ہیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ کہیں نہ کہیں مسلمان بھی ان پر جانے انجانے یقین وعمل کرتے نظر آتے ہیں، اس سے آدمی کے اللہ پر ایمان ویقین میں جو کمی آتی ہے، اس میں خود اعتمادی اور محنت ومشقت کرنے کے عمل میں جو دراڑ وضعف ہوتا ہے اس سے بلاشبہ بڑے برے اثرات پیدا ہوتے ہیں اور آدمی دین ودنیا کے بہت سارے فوائد سے محروم ہوجاتا ہے۔

قدیم جاہلیت میں قتل اولاد خصوصا صنف اناث اور بچیوں کو قتل کرنے کی بڑی مذموم عادت تھی، اللہ نے فرمایا: ﴿وكذلك زين لكثير من المشركين قتل أولادهم شركاء وهم ليردوهم وليلبسوا عليهم دينهم ولو شاء الله ما فعلوه فذرهم وما يفترون﴾ (الانعام: ۱۳۷) یعنی اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے معبودوں نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مستحسن بنا رکھا ہے تاکہ وہ ان کو برباد کریں اور تاکہ ان کے دین کو ان پر مشتبہ کردیں اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ایسا کام نہ کرتے تو آپ ان کو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں یونہی رہنے دیجئے۔ مفسرین کے مطابق قتل اولاد کی تین صورتیں عرب میں رائج تھیں، ایک لڑکیوں کا قتل اس خیال وعار سے کوئی اس کا داماد نہ بنے اور جنگوں میں وہ دشمن کے ہاتھوں نہ پڑیں یا پھر کسی اور سبب سے شرم وعار کا سبب نہ بنیں، صنف اناث کے قتل وزندہ درگور کرنے کی بابت قرآن میں ایک جگہ یوں کہا گیا: ﴿واذ

الموؤدة سئلت، بأي ذنب قتلت﴾ یہاں جاہلیت کے اسی بدترین روایت وعمل شنیع کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا بچوں کا قتل معاشی تنگی کے خوف سے۔ تیسرا قتل بچوں کا اپنے معبودوں کی خوشنودی کے لئے بھینٹ چڑھانا۔ غور کریں قدیم جاہلیت کی طرح جدید جاہلیت میں بھی قتل اولاد کی یہ تینوں شکلیں موجود ہیں، اور کم وبیش عمل بھی.....۔

قتل اولاد کی بدترین وبا تو ایسی ہے کہ وہ وبائی مرض کی طرح قریہ قریہ پھیل چکی ہے، معاشی تنگی اور بچوں کے بہتر مستقبل وغیرہ کی آڑ میں جس طرح یہ گھناؤنا کھیل عام وخاص سب میں جاری ہے، بلاشبہ آج انسانی سماج کا یہ ایک بدترین المیہ اور رب کائنات کی بڑی معصیت ہے، صنف اناث کے قتل کی بدترین صورتحال تو کم ازکم اس ملک میں ایسی ہے کہ وہ ہر مذہب وطبقہ سب کے لئے انتہائی تشویش کا موضوع بنا ہوا ہے، صنف اناث کے اوسط میں روز افزوں کمی اس بابت خوب اشارہ ہے کہ نئے نئے ڈھنگ اور تکنیک سے کس طرح صنف اناث کا پتہ لگا کر مادر رحم میں بے رحمی سے قتل کیا جارہا ہے، اس کی ایک مثال راجستھان کا وہ قدیم دیوڑا گاؤں ہے جہاں سینکڑوں سالوں سے بچیوں کو پیدا ہونے کے بعد قتل کردینے کی حیوانی اور بدترین رسم جاری رہی ہے، اس گاؤں میں صرف تیس برس قبل پہلی لڑکی پیدا ہوئی تھی جس کو اس کے والدین نے بغرض مجبوری اس لئے زندہ رکھا کہ اس کے گھر جو بھی لڑکا پیدا ہوتا تھا وہ مرجاتا تھا، آخر کار اس کے والدین نے بچی کو زندہ رکھنے کا وعدہ کیا، اور جس کی شادی ۱۹۹۸ء میں ہوئی، یہ ایک ایسا عجیب وغریب واقعہ اور عدیم المثال دن اس گاؤں کے لئے تھا کہ جہاں کے بارے میں دیش بھر کے ذرائع ابلاغ میں اس کی نمایاں رپورٹنگ ہوئی تھی، کیونکہ سینکڑوں برسوں بعد اس گاؤں میں پہلی کوئی بارات آئی تھی، اور اب دوسری بارات بروز منگل ۱۶/فروری ۲۰۱۰ء کو آئی تھی، اتفاق سے اس لڑکی کو بھی اس کے والدین بغرض مجبوری زندہ رکھا۔ (روزنامہ ہندوستان ۱۷/۲/۲۰۱۰ء، پٹنہ)، پنجاب اور دوسرے ترقی یافتہ صوبوں کے بارے میں اہل علم جانتے ہیں کہ صنف اناث کو قتل کرنے کی بدترین وبا نہ صرف آج بھی موجود ہے بلکہ اس میں اضافہ ہی ہورہا ہے، اور سرکار کی ناریوں کی بابت متعدد فلاحی اسکیموں کے باوجود یہ بدترین جاہلی رسم آج بھی جاری ہے۔

مشرکانہ عقائد کے تحت جانوروں کے کان وغیرہ چیر پھاڑ کر دیوتا کے نام پر ترک کرنا بھی جاہلیت کی ایک رسم تھی، دیوی دیوتاؤں کے ناموں پر نذریں چڑھانا بھی ان میں موجود تھا، قرآن میں سورۃ النساء آیت ۱۱۹، سورۃ المائدہ آیت ۱۰۳، اسی طرح آیت ۱۳۶، سورۃ الانعام آیت ۱۴۳ اور ۱۴۴، اور سورہ انعام میں آیت ۱۳۸، ۱۳۹ وغیرہ آیات ہیں، ان میں مشرکانہ عقائد کے تحت جاہلیت کے لوگوں کے ان امور ومراسم اور روایات کی قرآن نے سختی سے تردید کی ہے اور اسے عقیدۂ توحید کے خلاف بتایا ہے، آج بھی معاشرہ میں اس طرح کے رسوم ورواج کی مثالیں بکثرت موجود ہیں، مگر افسوس وحسرت کی انتہا یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر جانوروں کو چڑھانے، نذریں چڑھانے کی بدترین رسمیں کلمہ کا اقرار وشہادت دینے والے مسلمانوں میں بھی موجود ہیں، جو بلاشبہ بنیادی طور پر اسلام کے اساسی عقیدہ توحید کے خلاف ہے۔ عقیدۂ توحید مسلمانوں کا سب سے خاص امتیاز رہا ہے، یہ ان کے لئے سب سے قیمتی سرمایۂ حیات رہا ہے، مگر مسلمانوں نے اپنی اس متاع وقابل فخر نشان امتیاز کو بھی ضیاع وبرباد کردیا، اللہ رحم فرمائے۔

ہمیشہ مسلمان تھے جس پہ نازاں وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلماں

شہادت حسینؓ ایک تحقیقی جائزہ

(قسط:۲) تحریر: أبو عبد الله الذهبي / ترجمہ: عبد الغفار سلفی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کے حالات:

میں کہتا ہوں کہ وہ شگاف جو کبھی بھرا نہیں جاسکتا، وہ خلا جو پُر نہ کیا جاسکا، وہ زخم جو کبھی نہ بھر سکا، جس نے امت اسلامیہ کے جگر کو مجروح کر دیا اور جس کی شدت اور ٹیس امت آج بھی محسوس کرتی ہے، وہ ہے قتل حسین رضی اللہ عنہ، اسلام اور اہل اسلام کے لئے یہ مشکل ترین لمحہ تھا۔

(طبری:۳۴۳/۵) کہتے ہیں: جب ابن زبیرؓ اور حسینؓ کو یزید کی بیعت کے لئے بلایا گیا تو دونوں نے انکار کر دیا اور رات ہی رات مکہ کو چ کر گئے، (اثنائے راہ) دونوں کی ملاقات ابن عیاش اور ابن عمرؓ سے ہوئی، یہ دونوں حضرات مکہ سے آرہے تھے، انہوں نے حضرت حسینؓ اور ابن زبیرؓ سے دریافت کیا کہ آپ صاحبان کے پیچھے کیا حالات ہیں، دونوں نے جواب دیا حضرت معاویہ کی وفات ہوگئی ہے، اور یزید کی بیعت لی جارہی ہے، اس پر ابن عمرؓ نے دونوں سے کہا: اللہ سے ڈرو، مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ نہ ڈالو، چنانچہ ابن عمرؓ مدینہ آئے اور کچھ دن منتظر رہے، جب دیگر شہروں میں بیعت لے لی گئی تو خود بھی آگے بڑھ کر بیعت لی۔

جب مکہ میں قیام کے دوران حضرت حسینؓ کے پاس کوفہ سے بکثرت خطوط آئے جن میں کوفہ آنے کی دعوت دی گئی تھی تو حضرت حسینؓ نے عراق جانے کا فیصلہ کرلیا، حالانکہ ان کے بعض اصحاب نے انہیں اس سے روکنے کی کوشش کی جیسے ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ وغیرہ، مناسب ہوگا کہ یہاں یہ اشارہ کردیں کہ امر واقعی سے ان اخباری اور قصہ گو حضرات کی بخوبی تردید ہوجاتی ہے، جو یہ کہا کرتے ہیں کہ ابن زبیرؓ نے حضرت حسینؓ کو یزید کے خلاف خروج کرنے کے لئے آمادہ کیا تھا، نیز ان کو یہ گوارا نہ تھا کہ حضرت حسینؓ مکہ میں رہیں، انہیں خلافت کی طمع تھی، وہ یہ چاہتے تھے کہ ماحول ان کے لئے سازگار ہوجائے اور میدان خالی ہوجائے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ بھی منجملہ ان صحابہ اور تابعین میں سے تھے جنہوں نے حضرت حسینؓ کو خروج نہ کرنے کی نصیحت کی تھی اور اس کی دلیل بھی میں پیچھے ذکر کر چکا ہوں۔

چنانچہ جب حضرت حسینؓ اپنے ابن عم مسلم بن عقیلؓ کو کوفہ بھیجنے اور ایک کثیر جماعت کے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد نکل گئے تو عبید اللہ بن زیاد (نئے گورنر کی حیثیت سے) کوفہ آیا اور سارے کے سارے اہل کوفہ اس کے ساتھ ہوگئے، مسلم کو تنہا چھوڑ دیا، مسلم قتل کر دیئے گئے، جب حضرت حسینؓ کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا مگر تبھی عمر بن سعد مع اپنی سپاہ کے ان کے سامنے آگیا اور حضرت حسینؓ سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کی قید میں اتر جائیں، آنجناب نے انکار کر دیا اور اپنے ابن عم یزید کے پاس جانے کا مطالبہ کیا تاکہ اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دے دیں یا وہیں لوٹ جائیں جہاں سے آئے ہیں یا (معرکۂ جہاد میں) شہادت سے ہمکنار ہوں، لیکن ان ظالموں نے ظلم وعدوان سے کام لیتے ہوئے آپ کا کوئی بھی مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اس سلسلے میں سب سے پیش پیش شمر بن ذی الجوشن تھا، یہ شخص حضرت حسینؓ سے

جاملا اور پھر باہمی قتال کی نوبت آگئی، یہاں تک کہ اللہ نے حضرت حسینؓ اور ان کے اہل بیت کی ایک جماعت کو شرف شہادت سے نوازا (اللہ ان سب سے راضی ہو اور یہ اس سے)، یہ پوری تفصیلات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے ایک رسالہ ''راس الحسین'' ص ۲۰۰ سے ماخوذ ہیں، جب کہ اسی موضوع پر امام طبریؒ کی بھی ایک کتاب ''استشہاد الحسین'' ہے لیکن وہ ضعیف وموضوع روایات سے بھری پڑی ہے۔

مورخین اور دیگر لوگوں نے جس قدر اختلاف شہادت حسین کے سلسلے میں کیا ہے اتنا کسی اور تاریخی مسئلے کے متعلق نہیں کیا ہے، یہ واقعہ اول تا آخر یعنی اس کے محرکات سے لے کر اہل کوفہ کی غداری اور بے وفائی تک مختلف فیہ رہا ہے، اور اگر انحراف، جانب داری اور غلو سے مبرا ہو کر خالص تاریخی حیثیت سے ان واقعات پر نظر ڈالی جائے تو بھی ہمیں سوائے حیرانی کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا، کیونکہ ہر فریق کے پاس اس کی اپنی ایک رائے ہے نیز اس موقف کی دلیل ہے، ہم یہی کر سکتے ہیں کہ اللہ سے ان کے لئے دعا کریں اور اپنے اور ان کے حق میں مغفرت طلب کریں۔

جہاں تک میرا ماننا ہے حضرت حسینؓ اور یزید کے باہمی نزاع کے سلسلے میں ہمیں پڑنا ہی نہیں چاہئے کیونکہ یہ زیادہ بہتر ہے بنسبت اس کے کہ ہم ایسی چیز کے بارے میں گفتگو کریں جس کا ہمیں علم نہیں، بہترین بات یہ ہے کہ حضرت حسینؓ اپنے رب کے پاس ایک مجاہد کی حیثیت سے شہید ہو کر تشریف لے گئے، اللہ ان سے راضی ہو اور ہمیں بھی جنت میں نیکوکاروں کے ساتھ کر دے۔ اور جہاں تک حسینؓ اور یزید کے درمیان اس تکلیف دہ نزاع کا سوال ہے تو میں کہوں گا کہ ان کے درمیان اللہ بروز قیامت فیصلہ کرے گا، میری یہ جرأت نہیں کہ ان مختلف قسم کی آراء کی بنا پر کوئی بات کہوں سوائے اس کے کہ اللہ ہمیں اور انہیں سب کو معاف فرمائے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے ابن عبدالبر ''الاستیعاب'' میں فرماتے ہیں:

حضرت حسینؓ جمعہ کو دس محرم یوم عاشوراء کے دن ۶۱ھ میں مقام کربلا میں مقتول ہوئے جو عراق میں کوفہ کے پاس ایک جگہ ہے، وفات کے وقت آپ کے جسم پر خز (ریشم) کا جبہ تھا اور آپ کی عمر ۵۶ برس کی تھی، یہ بات نسابۂ قریش زبیر بن بکار نے کہی ہے، آپ کی پیدائش ۵ رشعبان ۴ھ کو ہوئی، اسی سال غزوۂ ذات الرقاع ہوا تھا، نماز میں قصر کا حکم نازل ہوا تھا نیز آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے عقد فرمایا تھا۔ (الاستیعاب ۱/۳۹۳، التذکرۃ للقرطبی ۲/۶۴۵، نسب قریش للزبیر بن بکار ص ۲۴)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

''شہادت حسینؓ کے سلسلے میں قدماء کی ایک جماعت نے کئی ایک تصانیف مرتب کی ہیں جن میں غث وسمین صحیح اور غلط سب ہے، ابراہیم نخعی سے ثابت ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: اگر میں قاتلین حسین میں سے ہوتا اور جنت میں داخل ہو جاتا تو مجھے رسول اکرم ﷺ کے روئے انور کی طرف دیکھنے میں شرم محسوس ہوتی''۔ (الاصابہ ۲/۸۱)

قتل حسینؓ کس دن پیش آیا اس سلسلے میں بھی اقوال مختلف ہیں، بعض کہتے ہیں جمعہ کا دن تھا یہ بھی کہا گیا ہے کہ دس محرم کو سنیچر تھا لیکن زیادہ صحیح پہلا قول ہے، اس پر اتفاق ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت دس محرم ۶۱ھ کو ہوئی تھی، یہی جمہور کا

بھی قول ہے اور دیگر سارے اقوال شاذ ہیں، یوم عاشوراء کو جمعہ تھا۔ (الاصابہ ۲/۶۷-۸۱، العقد الفرید لابن عبدربہ ۴/۳۵۶، اس روایت سے اجماع کی تائید ہوتی ہے)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

''اکثر کے قول کے مطابق حضرت حسینؓ کی ولادت شعبان ۴ھ کو ہوئی تھی، اور آپ کی شہادت عاشوراء کے دن ۶۱ھ میں سرزمین عراق میں کربلا میں ہوئی تھی، جب حضرت معاویہؓ کی وفات ہوگئی اور یزید خلیفہ ہوگیا تو اہل کوفہ نے حضرت حسینؓ کو خط لکھا کہ وہ لوگ حضرت حسینؓ کی اطاعت میں ہیں، حضرت حسینؓ کوفہ کے ارادے سے نکلے لیکن آپ سے پہلے عبید اللہ بن زیاد وہاں پہنچ گیا اور سارے لوگ اس کے زیر نگیں ہوگئے اور حضرت حسینؓ کے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل قتل کر دیئے گئے جنہیں حضرت حسینؓ نے پہلے ہی بھیجا تھا تاکہ لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ پھر عبید اللہ بن زیادہ نے ایک لشکر تیار کر کے روانہ کیا جس نے حسینؓ سے قتال کیا یہاں تک کہ حضرت حسینؓ اور ان کے اہل بیت کی ایک جماعت مقتول ہوئی''۔ (فتح الباری ۷/۱۲۰، تاریخ خلیفہ ص ۲۳۴)

امام حاکم نے ام فضل بنت حارثؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جبریل آئے اور مجھے بتلایا کہ عنقریب میری امت میرے اس بیٹے حسین کو قتل کردے گی، تو میں نے کہا اسے انہوں نے جواب دیا ہاں اور پھر (مقتل کی) ایک سرخ مٹی لے کر میرے پاس آئے۔ (السلسلۃ الصحیحۃ ۲/۴۶۴، یہ روایت صحیح الجامع میں حدیث نمبر ۶۱ ہے)

امام احمد نے حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا گھر میں میرے پاس ایک ایسا فرشتہ آیا جو اس سے پہلے نہیں آیا، اس نے کہا آپ کا یہ بیٹا حسین مقتول ہوگا اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو اس زمین کی مٹی دکھادوں جہاں یہ قتل ہوں گے۔ (السلسلۃ الصحیحۃ ۲/۴۶۵)

امام احمد ہی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو خواب میں ایک دن دیکھا اس حال میں کہ آپ ﷺ کے بال بکھرے ہوئے اور گرد آلود تھے اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک قارورہ (بوتل) تھا جس میں خون تھا، میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا یہ حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے، پس میں آج تک اس وقت کی تلاش میں ہوں۔ (راوی کہتے ہیں کہ) ابن عباس نے اس وقت کا اندازہ لگایا تو حضرت حسینؓ کے قتل کا وقت بھی وہی پایا۔ (مشکاۃ المصابیح للتبریزی شیخ البانی کی تحقیق کے ساتھ: ۶۱۷۲، مسند احمد ۱/۲۸۳)، اس حدیث میں یہ جملہ ''پس ہم نے بھی اندازہ لگایا.....'' کہنے والا وہ راوی ہے جس نے اس حدیث کو ابن عباس سے روایت کیا ہے یعنی ابوعمر بن ابوعمار مولی بن ہاشم یہ صدوق ہیں اور کبار تابعین میں سے ہیں، ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ (التقریب ص ۴۰۸)

حضرت حسن بصری کے مطابق (واقعۂ کربلا میں) حضرت حسین کے ساتھ ان کے اہل بیت میں سے سولہ آدمی جاں بحق ہوئے، جن کے ہم پلہ اس وقت روئے زمین پر کوئی نہ تھا، حضرت علیؓ کی اولاد میں سے عباس، عبداللہ، جعفر، عثمان اور ابو بکر مقتول ہوئے، یہ لوگ حضرت حسین کے سوتیلے بھائی تھے، علیؓ کے یہ سارے بیٹے ام البنین بنت حرام ام خالد کے بطن سے تھے، سوائے ابوبکر کے، وہ لیلیٰ بنت مسعود بن خالد کے بطن سے تھے۔ (تاریخ خلیفہ ص ۲۳۴)

حضرت حسینؓ کی اولاد میں سے عبداللہ اور علی مقتول ہوئے، عبداللہ کی ماں کا نام ام رباب تھا، اور علی کی ماں لیلیٰ بنت ابومرہ تھیں۔ (ایضا)، حضرت حسینؓ کے بھائی حسنؓ کی اولاد میں سے قاسم ابوبکر اور عبداللہ مقتول ہوئے، یہ سب حضرت حسن بن علیؓ کے صاحبزادگان تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ ۱۸۹/۸)، عبداللہ بن جعفر کی اولاد میں محمد اور عون مقتول ہوئے، محمد کی ماں خوصا بنت خصف اور عون کی ماں زینب عقیلیہ بنت علی تھیں۔ (تاریخ خلیفہ ص ۲۳۴)، عقیل بن ابی طالب کی اولاد میں عبد الرحمٰن، جعفر، عبداللہ اور مسلم مقتول ہوئے۔ (دیکھئے: تاریخ خلیفہ ص ۲۳۴، البدایۃ والنہایۃ ۱۸۹/۸)

اس سلسلے میں ذہبیؒ کہتے ہیں:

''ان مقتولین میں حضرت فاطمہ کی نسل کے ہی نہیں دوسرے لوگ بھی شامل تھے، روافض نے اس لشکر کے مقتولین میں صرف حضرت فاطمہؓ کی نسل کے لوگوں کی تعداد بہت بڑھا چڑھا کر پیش کی ہے، چنانچہ فطر بن خلیفہ (شیعی) نے ذکر کیا ہے کہ حضرت فاطمہ کی اولاد میں سے سترہ لوگ مقتول ہوئے تھے، حالانکہ اس تعداد میں بہت زیادہ مبالغہ ہے۔ (دیکھئے: تاریخ الاسلام للذہبی، حوادث سنۃ ۶۱ھ، ص ۲۱، تاریخ خلیفہ ص ۲۳۵، معجم کبیر ۱۰۴/۳، ۱۱۹)، شخص مذکور فطر غالی شیعہ تھا۔

ابن ذوالجوشن نے حضرت حسینؓ کا سر اٹھا کر عبیداللہ بن زیاد کے پاس بھیجا تھا، امام بخاری نے انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ عبیداللہ بن زیاد کے پاس حضرت حسین بن علی کا سر لایا گیا، وہ (حسینؓ کے سر میں) ٹھوکے لگانے لگا اور پھر ان کے حسن کے بارے میں کوئی بات کہی، اس پر حضرت انس نے کہہ دیا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔

امام ترمذی اور ابن حبان حفصہ بنت سیرین کے طریق سے حضرت انس کی یہ روایت لائے ہیں کہ میں ابن زیاد کے پاس اس وقت موجود تھا جب حضرت حسینؓ کا سر لایا گیا، وہ حضرت حسینؓ کی کٹی ہوئی ناک کے بارے میں کچھ کہنے کے بعد بولا میں نے اس کے مانند قابل ذکر خوبصورتی نہیں دیکھی، میں نے کہا سنو یہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ شباہت رکھتے تھے۔

امام طبرانی معجم کبیر میں (۲۳) زید بن ارقم کی حدیث لائے ہیں، اس میں ہے کہ ابن زیاد حضرت حسینؓ کے ہاتھ آنکھ اور کان میں ایک درخت کی شاخ سے ٹھوکے لگانے لگا، میں نے کہا اپنی چھڑی ہٹا، میں نے رسول اللہ ﷺ کے منہ کو اس جگہ دیکھا ہے، بزار نے ایک دوسری سند سے حضرت انس کی روایت میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو اس جگہ کو چومتے ہوئے دیکھا ہے، جہاں تم اپنی چھڑی لگا رہے ہو، اس پر ابن زیاد نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

اس سلسلے میں صحیح روایات ان جھوٹی روایات کے ساتھ مل گئیں جنہیں بے قوف رافضیوں نے گڑھا اور قصہ گو حضرات نے ان کو ہر قسم کے اخلاقیات سے بالاتر ہو کر رواج دیا۔

انہیں روایات میں سے کتاب ''الاغانی'' کی روایات ہیں، اس کتاب کو ''النہر المسموم'' کے نام جانا جاتا ہے اور واقعی یہ ایسی نہر ہے کہ جس سے ہمارے تمام تاریخ نگاران سیراب ہوئے ہیں اور ہر اس شخص نے استفادہ کیا ہے جسے تاریخ سے کسی بھی طرح کا شغف ہو، لوگ اسے نسلا بعد نسل نقل کرتے رہے خود تو گمراہ ہوئے ہی دوسروں کو بھی کیا۔☆ (جاری)

سرزمین دوآبہ میں وہابی تحریک کی سرگرمیاں

سید احمد بریلوی شہید: حیات اور کارنامے

(قسط:۴)

صدیق احمد نفیس احمد
فاضل جامعہ سلفیہ، بنارس

حج بیت اللہ کا قصد:

یہ گزر چکا کہ آپ کا یہ فیصلہ اچانک ہوا تھا، اور مقصد فریضۂ حج کی منسوخی کا خاتمہ تھا جو علماء سو کی ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ تھا۔ ہاں راستے پر خطر ضرور تھے لیکن مسلمان اور دیگر اقوام کے تجارتی قافلے کی آمد ورفت تو اب بھی جاری تھی تو اگر تجار اپنی تجارت کے لیے اتنا خطرہ مول لے سکتے تھے تو فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے مسلمان جن کا ماضی خطرات ومشکلات اور ابتلاء وآزمائش سے پر ہے وہ ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟ سید صاحب اپنے گردوپیش اور طریقہ سفر کے حالات کا بغور مطالعہ فرمایا اور حج کا عزم مصمم کر کے وسائل اور زادراہ کی عدم فراہمی کے باوجود محض اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے عقیدت مندوں کی جانب خطوط روانہ کئے جن کا مضمون یہ تھا۔

''ہم واسطے اداء حج کے بیت اللہ جاتے ہیں جن جن صاحبوں کو حج کرنا منظور ہو انہیں اپنے ہمراہ لائیں مگر یہ حقیقت ہم ایک پر واضح کر دیں کہ ہمارے پاس نہ کچھ مال ہے نہ خزانہ محض اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے جاتے ہیں۔ اس کی ذات پاک سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے فضل سے ہماری مراد پوری کرے گا، اور جہاں کہیں راستے میں واسطے حاجت ضروری کے خرچ نہ ہوگا وہاں ٹھہر کر ہم لوگ محنت مزدوری کریں گے۔ جب بخوبی خرچ جمع ہو جائے گا تب وہاں سے آگے کو روانہ ہوں گے۔ عورتیں اور ضعیف مرد جو مزدوری کے قابل نہ ہوں گے ڈیروں کے نگرانی پر رہیں گے اور اس خرچ میں کمانے والے اور ڈیروں پر رہنے والے سب برابر کے شریک ہوں گے۔ [۱]

یہ خطوط مولانا عبدالحئ (بڈھانہ) مولانا اسمعیل شہید (دہلی) اور دیگر حضرات کو روانہ کر دیئے اس میں آپ نے اپنی بے سروسامانی کا اظہار بھی کیا اور تلاش زادراہ کا طریقہ کار بھی ذکر کر دیا۔ اسی اثناء آپ نے اپنے اعزہ واقرباء کو بھی یہ جانفزا مژدہ سنایا لیکن اولا مسائل کے تنگ دامنی کی سب نے شکایت کی جس کے جواب میں آپ نے کہا کہ ساری تنگی رائے بریلی میں ٹھہرے رہنے تک ہے اور ''و یرزقه من حیث لا تحتسب'' کا درس بڑے دل پذیر اور متاثر کن الفاظ میں لوگوں کے سامنے پیش کیا جس کی وجہ سے لوگوں کا تردد زائل ہو گیا اور اہل وعیال عازمین حج میں شامل ہو گئے اور مختلف علاقوں سے لوگ رائے بریلی میں جمع ہونے لگے۔ اس کے بعد جو قافلہ تیار ہوا۔ تقریباً ۴۰۰/ افراد پر مشتمل تھا۔ یہ بابرکت قافلہ شوال ۱۲۳۶ھ کی آخری تاریخ مطابق ۳۰/ جولائی ۱۸۲۱ء کو پیر کے دن کامل بے سروسامانی کی حالت میں رائے بریلی سے روانہ ہوا۔ [۲]

---

[۱] سید احمد شہید ص:۱۷۹ تا ۱۸۰ [۲] حوالہ سابقہ ص:۱۸۲

پورا سفر چوں کہ کشتیوں کے ذریعہ طے کرنا تھا اس لئے بحری راستہ اپنایا گیا۔ سید صاحب نے ''سئی ندی'' کو عبور کر کے ایک باغ میں قیام کیا اور جو کچھ نقدی قبضے میں تھی فقراء ومساکین میں تقسیم کر دیئے اور ننگے سر کھڑے یوں دعاء فرمائی:

''اے کریم کارساز! اتنی مخلوق اس ناچیز کے ہمراہ ہوگئی ہے تو مجھ ناچیز پر اپنا لطف فرما۔ اپنے الطاف واکرام کی برکت سے ان سب کو بطریق احسن منزل پر پہونچا''۔ [۱] ڈلمئو سے بحری سفر کا آغاز ہوتا ہے پانچ کشتیاں کرائے پر لی گئیں، راستے میں کئی مقام پر قافلے نے پڑاؤ کیا۔ بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ جہاں جہاں قیام ہوتا ہے لوگ جوق در جوق بیعت کے لئے جمع ہو جاتے۔ سید صاحب انہیں شرک و بت پرستی بدعت وخرافات تعزیہ داری قبر پرستی اور قبروں پر نذر و نیاز سے اجتناب کرنے کی تلقین فرماتے اور صحیح اسلامی طریقے کی رہنمائی کرتے اور پھر ان سے بیعت لیتے۔ دن بھر بیعت کرنے والوں کا تانا بندھا رہتا ہزاروں آدمیوں نے ہدایت پائی اور گناہوں سے تائب ہوئے۔

یہ قافلہ الہ آباد، مرزا پور، بنارس، غازی پور، چھپرا، دانا پور، پھلواری شریف، عظیم آباد اور ہگلی ہوتے ہوئے کلکتہ پہونچتا ہے جہاں تین ماہ قیام رہا۔ سلطان ٹیپو شہید کے شہزادوں نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کیا کلکتہ سے روانگی کے وقت عازمین حج کی تعداد سات سو ترپن تھی۔ جس کے لئے دس جہاز بیس روپیہ فی کس کے اعتبار سے کرائے پر لئے گئے۔ کل تیرہ ہزار آٹھ سو ساٹھ روپیہ قافلہ کو دس ٹولیوں میں تقسیم کر دیا گیا جو دس امیروں کے ماتحت تھیں۔ [۲] ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۸۲۱ء میں جدہ کے لئے روانہ ہو گئے اسی سال تمام لوگوں نے فریضۂ حج کی ادائیگی کی۔

سر زمین حجاز میں:

۲۹/ شعبان ۱۲۳۷ھ کو آپ کچھ دن چڑھے مکہ معظّمہ کے قریب پہونچے۔ باب السلام سے داخل ہوئے اور ارکان عمرہ کی ادائیگی کے بعد احرام کھول دیئے، روزانہ دن کو مکہ کے علماء ومشائخ کی آپ کے پاس عصر تک نشست رہتی اور دیگر لوگ بھی آپ کے اردگرد جمع ہوئے تھے۔ رمضان المبارک کا پہلا مہینہ عبادت وریاضت میں بسر ہوا، عید کے روز مکہ معظّمہ کے علماء وفضلاء آپ سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے۔ محدث شیخ عمر بن عبدالرسول حنفی بڑے مشہور اور اپنے عہد کے مشہور عالم تھے۔ بغرض ملاقات تشریف لائے اور آپ کا نذرانہ قبول فرمایا۔ حالانکہ وہ سلطان ترکی کا ہدیہ واپس کر چکے تھے جس سے روسائے مکہ کو بڑا تعجب ہوا۔

مکہ معظّمہ میں آپ نے پانچ مہینہ قیام فرما کر زیارت مدینہ کا قصد فرمایا۔ احمد پاشا کے نائب سلطان نے اپنی ضمانت پر مدینہ روانہ کیا، وہاں پہونچ کر آپ نے مسجد نبوی مسجد قبا مسجد قبایتن اور جنت البقیع کی زیارت فرمائی، اس کے بعد آپ دوبارہ مکہ تشریف واپس لائے۔

مکہ معظّمہ کے زمانۂ قیام میں سید صاحب نے مولانا عبدالحئی اور مولانا اسماعیل سے فرمایا کہ ''اس متبرک مقام میں کچھ

---

[۱] حوالہ سابقہ ص:۱۸۳ [۲] حوالہ سابقہ ص:۲۱۲

علوم دینیہ کا مشعلہ ہونا چاہئے یہ وقت غنیمت ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحئی صاحب مشکوۃ اور مولانا اسماعیل صاحب حجۃ اللہ البالغہ کا درس دینا شروع کر دیا۔ یہ تھیں دیار حرم میں تحریک مجاہدین کی مشغولیات اور مشائخ حرم کی ان میں دل چسپیاں لوگ کہتے تھے کہ مکہ مرجع عالم ہے یہاں ہر صفت اور ہر کمال کے لوگ آتے ہیں۔ لیکن جو رجوع عام اور بجذاف وکشش سید صاحب کی طرف ہے وہ کسی کی طرف دیکھی نہیں گئی۔ [۱]

مکہ معظّمہ کے حالات اور مجاہدین کی آوبھگت تحریر کرنے کا مقصد دراصل ان لوگوں کی افتراء پردازی اور غلط بیانی کی تردید کرنا ہے جنہوں نے افواہیں پھیلا رکھا ہے کہ وہاں سید صاحب کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کیا گیا، اور انہیں حرم سے نکال دیا گیا۔ جیسا کہ ہنٹر لکھتا ہے ''قیام مکہ کے زمانہ میں حکام کی توجہ ان کی طرف مبذول ہوئی اس کے لئے ان کی دعوت ان بدوؤں سے ملتی جلتی تھی۔ جنہوں نے گذشتہ سالوں میں مقامات مقدسہ کو بہت گزند پہونچایا تھا۔ مجاوروں نے ان کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کیا۔ اور حرم سے نکال دیا۔ [۲] اس بیان کی کیا حقیقت ہے وہ مندرجہ بالا تحریر سے واضح ہو جاتا ہے۔ حرم سے نکال دینا تو دور کی بات آپ وہاں حج سے فراغت کے بعد بھی سات آٹھ مہینہ قیام فرما رہے۔ اس طرح آپ تقریباً مسلسل تین برس سفر میں رہے۔ پہلی شوال ۱۲۳۶ھ عین عید کے روز نماز کے بعد رائے بریلی سے رخت سفر باندھا اور مجاہدین کا یہ قافلہ عیدالاضحیٰ ۱۲۳۷ھ کو وطن عزیز کو چل پڑا۔ ۲۹/ شعبان ۱۲۳۹ھ کو پھر اپنی منزل پر واپس آ گیا۔ [۳]

دعوت جهاد اور اس کے مقاصد:

حرمین سے واپسی کے بعد سید صاحب اپنے اس مشن کی تکمیل میں مصروف ہو گئے جس کے لئے عمر عزیز کو وقف کر رکھا تھا، اور اپنے خلفاء اور مبلغین کو دعوت جہاد کی ترویج واشاعت کے لئے اطراف ونواح میں بھیج دیا انہوں نے عوام الناس کے روبرو ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت وفضیلت کو واضح کیا اور وقت کی اہم ضرورت کو باور کرایا۔ مقاصد اور نصب العین کو بھی سامنے رکھا۔ مقاصد کیا تھے خود سید صاحب اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ ''میری آرزو کلمۂ حق کی سربلندی سنن سید المرسلین کے احیاء اور استخلاص بلاد المسلمین از دست کفرہ متمردہ'' [۴] ہے۔ ایک اور خط میں دنیاداری اور طلب دنیا سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''میں ہفت قلیم کی سلطانی کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دینا۔ جب نصرت دین کا دور شروع ہو جائے گا اور شرکشوں کے اقتدار کی جڑ کٹ جائے گی تو میری سعی کا تیر خود بخود نشانہ مراد پر جا بیٹھے گا''۔ [۵]

سکھ یا انگریز:

سید صاحب کی تحریک جہاد کا ہدف سکھ تھے یا انگریز؟ وہابی تحریک کے متعلق یہ سوال ہمیشہ لوگوں کے ذہنوں کو کریدتا رہا

---

۱ ملخص از سیرت سید احمد شہید ص: ۳۶۳ تا ۳۷۷

۲ دی انڈین مسلمان ص: ۵۲ بحوالہ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک

۳ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص: ۲۶

۴ مکاتیب شاہ اسمٰعیل شہید ص: ۵۳ بحوالہ سید احمد شہید

۵ حوالہ سابقہ ص: ۵۹

ہے،بعض لوگوں نے یہ الزام وہابی تحریک کے سرتھوپنے کی کوشش کی ہے کہ اس تحریک کے ہدف سکھ تھے نہ کہ انگریز، کیوں کہ سکھ اس زمانے میں پنجاب کے مسلمانوں کے درپے تھے ان کا قافیہ تنگ کر رکھا تھا۔ اسلامی شعار پر پابندی لگا رکھی تھی۔ مسلمانوں کی عزت وناموس کی پامالی ہورہی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ رنجیت سنگھ ان کرتوتوں کوانجام دے رہا تھا۔لیکن اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ تحریک مجاہدین کا اصلی ہدف یہی سکھ تھے اور انگریزوں سے ان کو کوئی سروکار نہ تھا۔ سید صاحب کے مکتوبات واضح ثبوت ہیں کہ آپ کے ہدف سکھ اور انگریز دونوں تھے بلکہ ہر وہ قوم تھی جو مسلمانوں اور وطن عزیز پر غلط نگاہ ڈالے۔شاہ نجار کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ ''نصاری اور مشرکین ہندوستان کے بلاد پر دریائے سندھ سے ساحل بحر تک قابض ہوگئے یہ اتنا بڑا ملک ہے کہ انسان پیدل چلے تو اک سرے سے دوسرے پر پہونچنے میں چھ مہینے لگ جائیں۔ انہوں نے خدا کے دین کوختم کرنے کے لئے تشکیک وتزدیر کا جال پھیلایا ہے۔ [۱] اپنے ایک اور خط میں لکھتے ہیں کہ ''دور کے ملک سے آنے والے بیگانے اور سامان بیچنے والے تاجر مالک سلطنت بن گئے ہیں جب ہندوستان کا میدان غیروں اور دشمنوں سے خالی ہوجائے گا تو میں مناصب ریاست وسیاست دوسروں کے حوالے کرکے الگ ہوجاؤنگا''۔ [۲]

مذکورہ دونوں مکتوبات میں نصاریٰ اور دورممالک سے آئے ہوئے تاجر سے صرف انگریز ہی مراد ہوسکتے ہیں۔لہذا تحریک مجاہدین کے ہدف سکھ اور انگریز دونوں تھے۔ بلکہ ایک دوسرے مکتوب میں بصراحت مرقوم ہے کہ ''میرا مقصود اصلی ہندوستان پر جہاد ہے نہ کہ ملک خراسان (سرحدوافغانستان) میں سکونت اختیار کرنا''۔ [۳]

ہندوستان پر انگریزوں ہی کا تسلط تھا۔معلوم ہوا کہ ہدف اصلی انگریز ہی تھے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہجرت اور آغاز جہاد کے لئے سرحد ہی کا انتخاب کیوں کیا گیا؟ محترم ابوالحسن ندوی صاحب اس کے جواب میں رقمطراز ہیں کہ ''مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالات، ان کی فوری امداد کی ضرورت، جو ایک شرعی فریضہ تھا۔ نیز فوجی مصالح اور سیاسی تدبر کا تقاضا تھا کہ یہ مہم ہندوستان کی شمام مغرب سرحد سے شروع کی جائے جو طاقت وراور پرجوش افغانی قبائل کا مرکز ہے،اور جہاں سے ترکستان تک آزاد مسلمان حکومتوں کی ایک مسلسل زنجیر ہے نقشے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ پنجاب کے مسلمانوں کی امداد، ہندوستان کی دوبارہ تسخیر اور ایک طاقتور اسلامی حکومت کے قیام کے لئے بظاہر اس سے زیادہ موزوں مقام نہیں ہوسکتا۔'' [۴]

ہجرت:

سید صاحب حج سے مراجعت کے بعد ایک سال دس ماہ تک ہجرت اور جہاد کی تیاری کرتے رہے۔اطراف وجوانب میں مبلغین اور اطلاع نامہ روانہ کردیا تھا۔جس میں تحریر تھا کہ سکھ کفار کے خلاف ۲۱/ دسمبر ۱۸۲۶ء کو جہاد شروع ہوگا۔[۵] چنانچہ

---

[۱] حوالہ سابقہ ص:۵۳ [۲] // // ص:۱۷۰

[۳] سیرت سید احمد شہید ص:۴۰۹ [۴] حوالہ سابقہ ص:۴۲۳

[۵] موج کوثر ص:۲۵

ہر چہار جانب سے رضا کاروں کی ٹولیاں رائے بریلی میں جمع ہوگئیں جہاں سے یہ عظیم کارواں ۷/ جمادی الاخری ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۷/جنوری ۱۸۲۶ء بروز دوشنبہ ہجرت کر گیا۔[۱] اور گوالیا ٹونک اجمیر، حیدرآباد، شکارپور، کوئٹا ہوتے ہوئے قندھار پہونچا اور وہاں سے کابل کے راستے پشاور میں داخل ہوئے۔ نومبر ۱۸۲۶ء کو مقام اکوڑہ میں پہلا معرکہ پیش آیا پھر ''شب خوں خفرو'' کو کا واقعہ ہوا دونوں معرکوں میں مجاہدین فتح یاب ہوئے اور مال غنیمت ہاتھ لگا۔ [۲]

بیعت امامت:

دونوں جھڑپوں سے یہ اندازہ ہوگیا کہ عسکری امور کی انجام دہی کے لئے امام کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ۱۲/ جمادی الآخر ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۱/جنوری ۱۸۲۷ء کو علماء وفضلاء اور رؤسا نے اتفاق رائے سے آپ کے ہاتھ پر بیعت امامت کیا اور جمعہ کے دن آپ کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔[۳] اور ہندوستان کے نام یہ گشتی چھٹی روانہ کی گئی جس میں دونوں معرکوں کی فتح یابی اور بیعت امامت کا تذکرہ تھا۔ بعض علماء نے اس بیعت کو خود مختارانہ اقتدار پر محمول کیا تو سید صاحب نے ان کے جانب وضاحتی خطوط لکھے۔ سردار یار محمد خاں اور سردار پیر محمد خاں حاکمان پیشاور بذریعہ خطوط آپ کی امامت کو قبول کیا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے سرداران سرحد نے آپ کی امامت کو تسلیم کیا۔

شرف شہادت:

جنگ سید اور متفرق جھڑپوں کے بعد ۱۸۳۰ء میں پیشاور فتح ہوا۔ وہاں آپ نے احکام شرع کے نفاذ کے لئے قاضی اور عاملین کو مقرر فرمایا۔ یہ وہابی تحریک کا سب سے تابناک عہد تھا۔ لیکن چند ہی دنوں بعد افغانیوں نے ان عاملین کو شہید کر ڈالا۔ جس سے یہ تابناکی تاریکی میں بدل گئی۔ سید صاحب کو اس حادثے سے بڑا قلق ہوا۔ یہاں تک کہ آپ نے ہجرت کر جانے کا فیصلہ کرلیا اور مقام سیتوں ہوتے ہوئے بالاکوٹ پہونچے جہاں آپ کی زندگی کا آخری معرکہ حق و باطل پیش آیا اور اپنے جانثار رفقاء کے ساتھ سرفروشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ یہ جنگ ۲۴/ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶/مئی ۱۸۳۱ء کو بروز جمعہ واقع ہوئی۔ [۴]

(جاری)

☆☆☆

---

[۱] حوالہ سابقہ ص:۴۴۹ [۲] موج کوثر ص:۲۵

[۳] سیرت سید احمد شہید ج ا ص:۵۳۷ [۴] ہندوستان میں وہابی تحریک ص:۹۸

محدثین کرام کے تصنیفی منہج کا ایک اہم پہلو

تحریر: علی بن عبداللہ الصباح ترجمہ: راشد حسن فضل حق مبارکپوری

محدثین عظام وائمہ کرام کی حیات مبارکہ کے مطالعہ سے تصنیف وتالیف کے میدان میں ان کا یہ طریقہ کار نمایاں ہے کہ وہ اپنی کتابیں منظر عام پر لانے سے قبل اپنے کبار مشائخ وممتاز معاصرین پر پیش کرتے اوران سے اصلاح لیتے تھے، چونکہ سیرت وحیات کا یہ پہلو قابل توجہ ہے، اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اس مختصر سے مضمون میں جو کچھ میں نے دیکھا، سنا ہے، اسے یوں ہی جمع کر دیا جائے اوراس مبارک عمل کے جو علمی وتربیتی فوائد ہیں ان کو بھی بیان کر دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر موجودہ زمانے کا جائزہ لیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ تصنیف وتالیف کا میدان بالکل کھلی چراہ گاہ کی شکل اختیار کر چکا ہے، اور بلا کسی اختصاص ہر کس وناکس، اہل وناا ہل شخص اس میں زور آزمائی کرتا ہے، اصل مرض یہ ہے کہ ہر شخص اظہار رائے کی آزادی اوراس میدان میں شرکت کو اپنا فطری حق سمجھتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سیاست وادب کا آدمی احکام شرعیہ کے سلسلے میں لب کشائی کرتا ہے، اوراحادیث نبویہ پر حکم لگاتا ہے، لہذا خود بھی گمراہ ہوتا ہے، اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے، واللہ المستعان۔

جس طرح محدثین وعلماء اپنی کتابوں کو منصۂ شہود پر لانے سے قبل اہل اختصاص، اساتذۂ فن اور ممتاز معاصرین کو دکھاتے اوران پر پیش کرتے تھے، اسی طریقے سے اگر ہر شخص ان کے منہج کی پیروی کرے تو اس میدان میں لغزشوں سے بآسانی بچ سکتا ہے، یہاں ایک بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ مؤلفین اور کتاب کے موضوعات کے اعتبار سے کتاب پر نظر ثانی واعادۂ نظر کی حاجت وضرورت بھی الگ الگ ہوا کرتی ہے، اگر مولف میدان تالیف وتصنیف میں نو آموز ہے، یا کتاب کا موضوع بہت زیادہ اہم اور دقیق ہے، یا یہ کہ مسلم معاشرے میں اس کے عام اثرات مرتب ہونے کا امکان ہے، تو ایسی صورت میں نظر ثانی کا کام بہت زیادہ ضروری ہو جاتا ہے، اب ذیل میں ہم ان محدثین کا تذکرہ کر رہے ہیں جنہوں نے اپنی کتابوں کو منظر عام پر لانے سے پہلے اپنے اساتذہ وہم عصر علماء پر پیش کیا، اوران کو دکھایا۔

۱- امام بخاریؒ: محمد بن اسماعیل الجعفی ابوعبداللہ البخاریؒ (۱۹۴-۲۵۶ھ) نے اپنی کتاب ''الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول اللہ ﷺ وسننہ وأیامہ'' کو اپنے اساتذہ کی ایک معتد بہ جماعت پر پیش کیا۔(۱)

امام ابوجعفر عقیلی (م۳۲۲ھ) فرماتے ہیں:

''جب امام بخاریؒ اپنی صحیح کی تصنیف فرما چکے، تو اس کو علی بن المدینیؒ، احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ جیسے کبار محدثین پر پیش کیا، تو انہوں نے اس کی تحسین فرمائی، اور سوائے چار احادیث کے تمام کی صحت کی شہادت دی، امام عقلیؒ

(۱) اسے ذکر کیا ہے ابن خیر: ۹۴ نے، اور التجیبی نے: ۶۸، دیکھئے رسالہ تحقیق اسمی الصحیحین واسم جامع الترمذی لابن غدۃ ط۱، ۱۴۱۴ھ۔

فرماتے ہیں کہ اس میں امام بخاریؒ ہی کا قول صحیح ہے، یعنی بخاری کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔(۱)

۲-امام مسلم: ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری، النیسابوری (۲۰۴-۲۶۱ھ) نے اپنی کتاب ''المسند الصحیح المختصر من السنن بنقل العدل عن العدل عن رسول اللہ ﷺ'' (۲) کو اپنے بعض مشائخ پر پیش کیا، مکی بن عبدان جو کہ نیسا پور کے کبار حفاظ میں سے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے امام مسلمؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: "عرضت كتابي هذا المسند على أبي زرعة الرازي، فكل ما أشار أن له علة تركته، وكل ما قال إنه صحيح وليس له علة أخرجته"۔ (۳)

امامؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس کتاب ''الجامع الصحیح'' کو امام ابوزرعہ الرازیؒ پر پیش کیا، لہذا انہوں نے جس حدیث کو معلول قرار دیا اسے میں نے چھوڑ دیا، اور جس حدیث کو غیر معلول قرار دیا، میں نے اس کو اپنی کتاب میں درج کر دیا۔

۳-امام ابوداود: سلیمان بن اشعث السجستانیؒ (۲۰۲-۲۷۵ھ) نے اپنی کتاب ''السنن'' کو اپنے پہلے شیخ امام احمد بن حنبل پر پیش کیا، امام خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے، امام صاحب نے اپنی ''سنن'' کی تصنیف کی تھی، پھر اس کو امام احمد بن حنبلؒ پر پیش کیا تھا، تو انہوں نے اسے مستحسن اور عمدہ کتاب قرار دیا ہے۔(۴)

۴-امام ترمذی: امام محمد بن عیسی ابوعیسی الترمذی (۲۰۹-۲۷۹ھ) نے اپنی کتاب ''الجامع'' کو اپنے مشائخ کی ایک جماعت پر پیش کیا، منصور خالدی کہتے ہیں کہ ابوعیسی الترمذی فرماتے ہیں: "صنفت هذا الكتاب يعني المسند الصحيح فعرضته على علماء الحجاز، فرضوا به، وعرضته على علماء العراق فرضوا به وعرضته على علماء خراسان فرضوا به" (۵)

ترجمہ: میں نے اس کتاب یعنی ''جامع ترمذی'' کی تصنیف کے بعد علماء حجاز، علماء عراق، علماء خراسان، ان سب پر پیش کیا، اور تمام نے اس پر رضامندی کا اظہار کیا۔

۵-امام ابن ماجہ: امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ (۲۰۹-۲۷۳ھ) نے اپنی کتاب ''السنن'' کو اپنے شیخ امام زرعہ الرازیؒ کو دکھایا، امام ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب سنن ابن ماجہ کو امام ابوزرعہ الرازی کو دیا، تو انہوں نے اس کے مطالعہ کے بعد فرمایا: ''اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھ لگ جائے تو موجودہ تمام یا اکثر جوامع اس کے سامنے ہیچ اور بے سود ہو جائیں گی، پھر فرمایا: شاید اس میں مکمل تیس حدیثیں بھی ایسی نہ ہوں، جو ضعیف ہوں، یعنی اس میں ۳۰ سے کم حدیثیں ضعیف

(۱) تغلیق التعلیق (۴۲۳/۵)، مقدمۃ فتح الباری (۴۸۹/۷)

(۲) اسے ذکر کیا ہے ابن خیر: ۹۸ نے اور التجیبی: ۸۳ نے۔

(۳) صیانۃ صحیح مسلم ص ۶۷، ۱۰۰، شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۵/۱، سیر أعلام النبلاء (۵۶۸/۱۲) مقدمۃ فتح الباری ص ۳۴۷۔

(۴) تاریخ بغداد (۵۶/۹)

(۵) التقیید (۹۷/۱)، سیر أعلام النبلاء (۲۷۴/۱۳)، تہذیب التہذیب (۳۴۴/۹)

ہیں، بقیہ سب صحیح ہیں۔(۱)

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ امام ابن ماجہ حافظ، ناقد، صادق اور وسیع العلم تھے، لیکن ان کی کتاب میں موجود منکر اور کچھ موضوع احادیث نے اس سنن کی حیثیت کم کردی، اور امام ابوزرعہؒ کے قول کو اگر بالفرض صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا صحیح معنی یہ ہوگا کہ اس میں ۳۰ حدیثیں ایسی ہیں جو ساقط اور نا قابل اعتبار ہیں، اور نا قابل حجت حدیثیں تو بہت ہیں، شاید ہزار کے آس پاس ہوں۔

امام حافظ ابن الملقن فرماتے ہیں: جہاں تک امام ابن ماجہ کی السنن کا معاملہ ہے تو میں اس کے لئے کوئی شرط نہیں جانتا، اتنا کہہ سکتا ہوں کہ سنن اربعہ میں سب سے زیادہ ضعیف حدیثیں اسی ابن ماجہ میں ہیں، بلکہ اس میں موضوعات بھی ہیں، ان موضوع حدیثوں میں سے ایک وہ بھی ہے، جو انہوں نے ''مقام قزوین'' کے فضائل میں ذکر کی ہے، لیکن ابوزرعہؒ نے کہا جیسا کہ ہم نے ان سے روایت کیا ہے: میں نے ''ابن ماجہ'' کا مطالعہ کیا لیکن اس میں بہت کم حدیثیں ایسی پائیں جن میں کچھ ضعیف ہے، بہت کم کی تعیین میں انہوں نے کہا کہ ۱۳ یا اس سے کچھ زائد حدیثیں ہیں، جن پر کلام ہے، یا اسی طرح کی کوئی بات کہی، جس کا مفہوم یہی ہے، ابن الملقن کہتے ہیں: یہ کلام امام ابوزرعہؒ کا ہے، اگر یہ کلام متعدد وجوہ سے روایت نہ کیا گیا ہوتا تو میں یقین کے ساتھ اس کی عدم صحت کا اظہار کرتا، کیونکہ یہ قول ان کی جلالت علمی کے شایان شان نہیں ہے، شیخ تقی الدین نے ''الالمام'' میں کہا ہے: یہ کلام ابوزرعہ کا ہے، لیکن اس قول کو اس کے ظاہری مفہوم سے نکال کر اس کی صحیح توجیہ وتاویل کرنا ضروری ہے، اور ابن ظاہر کا قول تو تعجب انگیز ہے کہ امام ابوزرعہؒ پر کوئی کتاب پیش کی جائے، اور وہ گہری وتنقیدی نگاہ ڈالنے کے بعد اگر اس طرح کی بات کہہ دیں تو یہ اس کتاب کی اہمیت وفضیلت کے لئے کافی ہے، اور مزید لکھتے ہیں: میری عمر کی قسم جس نے بھی ''ابن ماجہ'' کی کتاب پر تدبر کی نگاہ ڈالی ہے، وہ امام ابن ماجہؒ کی قدر ومنزلت سے آشنا ہوگیا کہ اس میں حسن ترتیب، کثرت ابواب، قلت احادیث وعدم تکرار کا کس قدر لحاظ وخیال رکھا گیا ہے، اس کتاب میں مراسیل ومقاطیع احادیث، نازل اسناد سے مروی روایتیں، اور مجروحین رواۃ سے مروی روایتیں اسی قدر ہیں، جن کی طرف امام ابوزرعہؒ نے اشارہ کیا ہے، ابن عساکر ابوالحسن بابویہ سے روایت کرتے ہیں کہ امام ابن ماجہؒ فرماتے ہیں: جب یہ نسخہ میں نے امام ابوزرعہؒ پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے مطالعہ کے بعد فرمایا: اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھ لگ جائے، تو یہ موجودہ تمام یا اکثر جوامع اس کے سامنے بے سود، مہمل وبے فائدہ ہوجائیں گی، پھر فرمایا: شاید اس میں ۳۰ حدیثیں بھی ایسی نہ ہوں گی جن کی اسناد میں ضعف ہوگا، یا یہ کہا کہ اس میں ۲۰ حدیثیں متکلم فیہ ہیں، اور انہیں سے روایت ہے کہ امام ابوزرعہ نے اس کتاب کے پانچ اجزاء میں سے صرف ایک جزء کا مطالعہ کیا تھا۔

(۱) تاریخ مدینہ ۵۶/۲۷۱، سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۷۸، دکتور سعدی الہاشمی نے امام ابوزرعہ کی اس قول پر ایک تنقیدی مقالہ لکھا ہے، جو مجلّہ جامعہ اسلامیہ کے عدد (۴۷-۴۸) ۱۴۰۰ھ میں شائع ہوا۔

شیخ تقی الدین فرماتے ہیں: امام ابوزرعہؒ کے قول کی تاویل کرنا ضروری ہے، اور شاید انہوں نے یہاں وہی اجزاء مراد لئے ہوں، جن کا انہوں نے مطالعہ کیا ہے، یا اس کے ماسوا جو صحیح حدیثیں ہیں ان کو مراد لیا ہو، اس مسئلے میں علماء نے بہت زیادہ مناقشے ومباحثے کئے ہیں۔(۱) یہاں ان تمام کو ذکر نہیں کیا جاسکتا۔

۶- ادریسی: حافظ عبدالرحمٰن بن محمد الاستراباذی جو ''ادریسی'' کے لقب سے مشہور ہیں، متوفی (۴۰۵ھ) کے بارے میں امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے سمرقند میں سکونت اختیار کی، اور سمرقند کی ایک تاریخ مرتب کی، اور اسے امام دارقطنی کو نظر ثانی کے لئے پیش کیا، تو انہوں نے اس کی تحسین فرمائی، اور اسے عمدہ قرار دیا۔(۲)

۷- الدانی: حافظ احمد بن طاہر ابوالعباس الدانی الاندلسی (۳۷۴-۴۴۲ھ) نے بھی اپنی کتاب اپنے شیوخ واقران پر پیش کی۔

ابن الابّار کہتے ہیں کہ حافظ الدانی نے موطأ کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف فرمائی، جس کا نام کتاب الیماء رکھا، جس کو ابومسعود الدمشقی کی کتاب ''اطراف الصحیحین'' کے نہج پر لکھا، اور اسے اپنے شیخ ابوعلی الصدفی کو اعادۂ نظر کے لئے دیا، تو انہوں نے اس کی تحسین فرمائی، اور مشورہ دیا کہ ذرا تفصیل سے کام لیں، چنانچہ ان کے مشورے کے مطابق انہوں نے اس میں اضافہ کیا۔(۳)

بلا کسی تفصیلی گفتگو واستقصاء کے جو کچھ ہوسکا، میں نے اس مضمون میں ذکر کردیا، جو شخص اس موضوع کی جانب توجہ دے گا، تمام ہی علوم میں بالخصوص علوم الحدیث میں تو اسے بہت کچھ حاصل ہوسکتا ہے۔(۴) ممکن ہے کہ میرا یہ مضمون اس موضوع پر طویل ودقیق مقالات کے لئے تمہید ثابت ہوں، قابل ذکر بات یہ ہے کہ متعدد معاصرین علماء وفضلاء نے اس طریقہ کو اختیار کیا، یعنی انہوں نے اپنے مشائخ سے اپنی کتابوں کی نظر ثانی کروائی، تو ان کی تالیفات کی بھی پذیرائی ہوئی، اور لوگوں پر اس کا گہرا اثر ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی عالم اپنی تصنیف کردہ کتاب کو اپنے مشائخ واقران پر پیش کرتا ہے، تو خود مؤلف اور کتاب

(۱) البدر المنیر ۱/۳۰۷۔ (۲) البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۱۱/۳۵۴۔

(۳) التکملۃ لکتاب الصلۃ (۱/۴۳)

(۴) میں کہتا ہوں: نظر ثانی کے حوالے سے وہ واقعہ بہت زیادہ تعجب خیز ہے جسے امام حافظ ابن کثیر نے محمد بن محمد بن یوسف بن الحجاج الفقیہ الطّوسی کے ترجمے میں ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں: امام ابن الحجاج الطّوسی ثقہ عالم اور عبادت گزار تھے، دن میں روزے رکھتے، اور رات قیام کرتے، اور رزق سے جو کچھ فاضل بچتا اسے صدقہ کرتے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے، اور انہوں نے طلب حدیث میں زمین کے دور دراز گوشوں کا سفر کیا، انہوں نے رات کے تین حصے کر رکھے تھے، ایک حصہ میں آرام کرتے، دوسرے میں تصنیف وتالیف کا کام کرتے، اور تیسرے حصہ میں مطالعہ میں مشغول ہوجاتے، چنانچہ ان کی وفات کے بعد ان کے ایک معاصر نے خواب میں دیکھا تو ان سے سوال کیا، کیا آپ کو آپ کا مقصد حاصل ہوگیا؟ انہوں نے جواب دیا ہاں اللہ کی قسم ہے، ہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، میں نے علم حدیث سے متعلق اپنی تصنیفات اللہ کے رسول ﷺ پر پیش کیں، تو آپ ﷺ نے انہیں قبول فرمایا۔ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر (۱۱/۲۲۹)

دونوں کے حق میں متعدد فوائد حاصل ہوتے ہیں، ذیل میں بعض فوائد کا ذکر کررہے ہیں:

۱- جب کوئی مصنف اپنی کتاب اپنے مشائخ واقران پر پیش کرتا ہے تو اس کے بے شمار علمی ومنہجی فوائد حاصل ہوتے ہیں، چنانچہ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ مطلوبہ فن کے متخصصین، ارباب علم ودانش وبینش اور ممتاز اہل فن پر کتاب پیش کرنے سے بہت سارے اشکالات جو قصور علم کی وجہ سے پیدا ہوجاتے ہیں، رفع ہوجاتے ہیں، اور کبھی تو متخصص مولف کو تقدیم وتاخیر، حذف واضافہ کرنے کی طرف رہنمائی کرتا ہے، جس سے کتاب کی دقت، حسن، باریکی اور اہمیت دوچند ہوجاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر کتب ستہ جن کو قبول عام اور غیر معمول پذیرائی حاصل ہوئی، اور لوگوں نے انہیں ہاتھوں لیا، اس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ ان کو منظر عام پر لانے سے پہلے کتاب اہل علم سے ان کی نظر ثانی کروائی گئی تھی۔

۲- کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ کتاب میں اسے شذوذ وتفردات در آنے کا امکان ہوتا ہے، جن کی وجہ سے علمی حلقوں میں مناظرے ومباحثے کا ماحول بن جائے اور اہل علم کو قیل وقال اور کثرت سوال میں الجھا دے، اس لئے نظر ثانی کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس طرح کے تفردات کی اصلاح ہوجائے۔

۳- اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ مولف کی تواضع، خاکساری اور اپنے رائے پر ضد نہ کرنے کی دلیل ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ جو بھی اپنی کتاب اپنے سے اونچے اہل علم کو دیتا ہے تو اس کا یہ عمل تواضع، خاکساری اور طلب حق کے لئے ہی ہوتا ہے۔

سچ فرمایا اللہ تعالی نے: ﴿وفوق كل ذي علم عليم﴾ (یوسف:۷۶) ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے۔

اور فرمایا: ﴿وما أوتيتم من العلم إلا قليلا﴾ (الاسراء:۸۵) اور تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔

اور فرمایا: ﴿وقل رب زدني علما﴾ (طہ:۱۱۴) ہاں یہ دعا کرکہ پروردگار میرا علم بڑھا۔

☆☆☆

تعطیل سالانہ امتحان وموسم گرما

جامعہ سلفیہ بنارس میں تعلیمی سال رواں ۲۰۰۹-۱۰ء کا سالانہ امتحان ۳/ جمادی الآخرۃ ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۸/ مئی ۲۰۱۰ء بروز منگل شروع ہوکر ۱۶/ جمادی الآخرۃ ۱۴۳۱ھ مطابق ۳۱/ مئی ۲۰۱۰ء بروز سوموار ختم ہوجائے گا، ان شاء اللہ۔

سالانہ وموسم گرما کی تعطیل ۲۱/ جمادی الآخرۃ ۱۴۳۱ھ مطابق ۵/ جون ۲۰۱۰ء بروز سنیچر سے ۱۵/ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۸/ جون ۲۰۱۰ء تک رہے گی۔ ۱۶/ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۹/ جون ۲۰۱۰ء بروز منگل نیا تعلیمی سال ۲۰۱۰-۱۱ء کا آغاز ہوگا، ان شاء اللہ۔ (ادارہ)

شادی بیاہ کی موجودہ تقاریب
شریعت کے آئینہ میں

ثروان نعیم بن نعیم اختر
متعلم جامعہ سلفیہ، بنارس

اسلام میں شادی کا مقصد:

شادی بیاہ اور ازدواجی زندگی انسان کا فطری عمل ہے، دنیویہ حیات مستعار کی یہ گاڑی دو پہیہ کے بغیر نہیں چل سکتی، جو لوگ صرف ایک پہیہ پر چلانا چاہتے ہیں وہ غیر فطری عمل کرتے ہیں، اسی لئے مذہب اسلام نے شادی کرنے اور ازداوجی زندگی گذارنے کی ہدایت کی، شادی کی اس ہدایت کا پس منظر اس کی مقصدیت ہے کیونکہ اسلام کی نظر میں شادی لذت کوشی کا ذریعہ نہیں بلکہ اچھے معاشرے کی تشکیل میں اس کا اہم رول نیز نسل انسانی کی بقاء اور اس کا تحفظ اسی میں مضمر ہے، اس لئے اسلام خوبصورت سماج کی تعمیر اور آدم وحوّا کی نسل کو آگے بڑھانے کی غرض سے شادی کو لازم قرار دیتا ہے نہ کہ صرف لطف اندوزی کی غرض سے قرآن نے اس کی بڑی لطیف اور خوبصورت تعبیر ان الفاظ میں کی ہے:

'' و من آیٰتہٖ أن خلق لکم من أنفسکم أزواجاً لتسکنوا إلیها وجعل بینکم ومودة ورحمة، إن فی ذلك لآیات لقوم یتفکرون"۔[1]

اگر شادی کی مقصدیت اور معنویت کو ملحوظ رکھا جائے اور اسی کے پیش نظر شادیاں کی جائیں تو پھر وہ بہت سی خرافات جن کا اصل مقصد سے دور کا واسطہ نہیں بہت جلد کافور ہو جائیں، مگر افسوس ہم نے مقصد کو بالائے طاق رکھ دیا اور سم ورواج اور دیگر خرافات کو اصل مقصد قرار دیدیا۔

حصول مقصد کے لئے ھدایت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے اس کو ایک دوسرے کا محتاج بنایا ہے، یہ نسل انسانی کا بقاو تسلسل اور فطری تقاضوں کی تکمیل، معصیت وگناہ، فواحش وبے حیائی سے اجتناب اور معاشرہ انسانی کا نظم وضبط ازدواجی زندگی پر موقوف ہے اور یہ احکام شریعت کے مطابق ہی سہل اور پرسکون ہوسکتی ہے، شادی بیاہ کے معاملہ میں اسلام نے جن چیزوں کو اولیت دی ہے یا جن کے بارے میں واضح ہدایات دی ہیں، آج ہم ان ہدایات اور احکامات کی صریح خلاف ورزی کررہے ہیں اور اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی شادی جیسے اہم اور حساس معاملہ میں کافرانہ ومشرکانہ رسوم کی تابعداری کرنے میں جٹے ہوتے ہیں، نبی ﷺ کی حدیث ہے: ''شادی کو سہل اور آسان بناؤ'' لیکن ہم اس کے برعکس شادی کو اتنا مہنگا اور مشکل بنا

[1] روم آیت:۲۱

چکے ہیں کہ غریب گھرانے کی شریف زادیاں زندگی بھر بیٹھی ہی رہ جائیں، ان سب کے علاوہ دیگر فضول جو کہ اس تقریب کے موقع پر مقابلہ آرائی کے طور پر کرتے ہیں تا کہ دولت مندی کی شہرت ہو، یہ اللہ کے فرمان: ''إن المبذرين كانوا اخوان الشياطين'' [1] کے تناظر میں اور شریعت کے بالکل خلاف صریح ظلم و معصیت اور نتائج کے اعتبار سے ہزاروں خرابیوں کا موجب اور قہر الٰہی کا سبب ہوسکتا ہے۔

ھدایات سے بغاوت:

کفایت شعاری واقعی خوشحالی کی راہ ہوتی ہے، کیونکہ اسراف و بے جا اخراجات سے جیسا کہ ہم موجودہ ایام سے گذر رہے ہیں، اور ''معيشة ضنكا'' کی تفسیر بنے ہوئے اور فضول خرچی کا انجام ہی ہے بدحالی اور بربادی، انسان میں فضول خرچی کی عادت کم عقلی کی وجہ سے ہوتی ہے یا غیر ذمہ دارانہ رویہ سے، جیسا کہ برنارڈ شا نے کہا ''بے وقوف آدمی بھی دولت کما سکتا ہے، لیکن خرچ کرنے کے لئے عقل کی ضرورت ہوتی ہے''، اس لئے اسے بداخلاق سے تعبیر کیا جائے یا بے عقلی سے، دراصل اسلام نے انسان کے ہر عمل کے لئے اسے ذمہ دار قرار دیا ہے، لہذا اس کی آمدنی حتی کہ اخراجات کا بھی حساب اس سے لیا جائے گا اس کا منشا یہ ہے کہ انسان کسب معاش اور اخراجات کے وقت یوم الحساب کو یاد رکھے اور ہر عمل سوچ سمجھ کر کرے، ورنہ شادی بیاہ کی تقریب ایک بہتر عمل اور سنت نبوی ﷺ ہے۔

لیکن اس مبارک سنت میں موجودہ رسوم اور اسراف نے کہاں سے جنم لیا اسکے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے کہ لمبے زمانے سے ہندو برادری کے ساتھ رہنے سے ان کے رسومات کو اپنا لیا گیا ہے، چاہے اس کا تعلق ناچ گانے سے ہو یا جہیز یا آتش بازی اور آنگن کی رسم سے ہو یا منہ دکھائی یا کسی قسم کے مطالبہ کا مسئلہ ہو، کیونکہ اس قسم کی کسی بھی رسم اور مطالبہ کی شریعت ہم کو اجازت نہیں دیتی اور نہ ہی ان رسوم کے ترک سے ہماری شادیوں میں کوئی خلل واقع ہوتا۔

بغاوت کا انجام:

تقریباً روزانہ اخبارات و رسائل و جرائد میں شادی شدہ عورتوں کی خودکشی یا ظلم و جبر کی خبریں دیکھنے کو ملتی ہیں، جن میں اکثر واقعات جہیز اور دیگر مطالبوں کو پورا کرنے کی وجہ سے ہوتے ہیں، راشٹریہ سہارا (۲۳ر دسمبر ۲۰۰۶ء) کی ایک رپورٹ کے مطابق ایک مسلم خاتون کو اس کے سسر، ساس زیادہ جہیز نہ لانے کی وجہ سے گالیاں دیتے اور اس کو بھوکے رکھتے تھے، اس پر ظلم و عتاب اس وقت اور زیادہ ہوگیا جب اس نے ایک لڑکی جنم دیا۔

بہر حال ان ظالموں کے ظلم و عتاب کو برداشت نہ کرسکی نتیجہ یہ ہوا کہ اس مسلم خاتون نے اپنے آپ کو مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگائی، اس قسم کے ایک دو یا چند نہیں بلکہ کثرت سے واقعات پیش آتے ہیں، اس لئے ہمیں جہیز اور دیگر مطالبات کے دروازوں کو ہمیشہ ہمیش کے لئے بند کردینے کی کوشش کرنی ہوگی، تبھی ہماری بہن، بیٹیاں چین و سکون کی زندگی بسر کرسکیں گی۔ اتنا

[1] سورہ بنی اسرائیل آیت: ۲۷

ہی پر بس نہیں بلکہ وہ والدین جو متعدد لڑکیوں کے ماں باپ یا ایک ہی لڑکی کے ذمہ دار ہونے کے باوجود آمدنی اور وسائل کے مالک ہیں، فکر وتردد کے آخری حدوں تک پہونچ گئے ہیں، بعض مرتبہ بعض علاقوں میں انہیں وجوہات کے باعث باپ جو شریف گھرانے کے تعلق رکھتے تھے اور اپنے معاشرہ و ماحول میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، خودکشی کا ارتکاب کیا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ''تعمیر حیات'' میں رقمطراز ہیں: ''لڑکیوں کے سرپرستوں کے ایسے خطوط آتے ہیں، جن کو پڑھ کر دل شق ہوتا ہے اور آسمان کے ٹوٹ پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ بعض خطوں میں لکھا گیا ہے کہ میری کئی لڑکیاں ہیں ایک کا معاملہ ہوتا تو جان پر کھیل کر کچھ انتظام کرلیا جاتا اور ان کے مطالبات کی تکمیل کرلی جاتی ہے، مگر ہر لڑکی کے پیام پر ایسے ہی مطالبات کئے جارہے ہیں، جن کی تکمیل امکان سے باہر ہے، کیا ہم ان لڑکیوں کو زہر دیدیں یا گلا گھونٹ دیں یا ان کو معصیت کی زندگی پر مجبور کریں'' آگے لکھتے ہیں: ''کہ ان خطوط کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور عذاب الٰہی کے نزول کا خطرہ محسوس ہونے لگتا ہے۔

سد باب اور ہماری ذمہ داری:

اسلام جیسے پاک وصاف مذہب کے اندر جہیز معاشرہ کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ علامت ہے، لیکن ہر فرد اس کا متمنی نظر آتا ہے چاہے وہ اس کا مطالبہ کھلم کھلا کرے یا اشاروں کنایوں میں، کچھ بے غیرت مسلمان اس حد کو بھی پار کردیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ مجھے اتنی رقم نقد اور فلاں فلاں سامان بطور جہیز ملے گا تو میں شادی کروں گا ورنہ نہیں، ایسی حالت میں غریب بے چارہ کیا کرے گا، شریعت اسلامیہ کی روشنی میں ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اس قسم کے تمام رسم ورواج کو ختم کرنے اور سد باب کے لئے مستحکم طور پر کھڑے ہوجائیں، جس کی سب سے اہم اور بہتر صورت یہ ہوگی کہ ہر شخص اپنے طور پر اس کی مخالفت کرے اور قطعاً یہ نہ سوچے کہ صرف میری مخالفت کرنے یا جہیز نہ دینے سے کیا فائدہ جب کہ پوری دنیا اسی میں ملوث ہے، اگر ہر شخص اپنے طور پر ہی سوچنے پر آمادہ ہوجائے تو بہت جلد سد باب ممکن ہے یا پھر دوسری صورت یہ ہو کہ چند بااثر اُمراء وعلماء جن کی اہمیت ہے اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں وہ کوئی ایسا پلیٹ فارم تیار کریں جس پر ہر ایک شخص کو عمل کرنا واجب ہو، مگر امراء یا علماء کا یہ طبقہ پہلے عمل کرکے دکھلائے۔ اگر امراء کا طبقہ جہیز یا دیگر رسم ورواج کے خلاف کھڑا ہوجائے تو اس بری رسم کو معاشرے سے اکھاڑ پھینکنا بہت جلد ممکن ہوگا، مگر شرط یہی ہے کہ سب سے پہلے قائدین سامنے آئیں اور اپنے عمل سے اس مشترکہ تحریک کو آگے بڑھائیں، نہ کہ صرف قول سے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ شادی سے متعلق غیر شرعی رسم ورواج کے بارے میں سوچنے اور اس کے سد باب کے لئے کوشش کرنے کی توفیق بخشے، (آمین) تقبل یارب العالمین۔

☆☆☆

اخبار جامعہ

عظمت صحابہ کانفرنس دہلی میں جامعہ سلفیہ بنارس کے وفد کی نمائندگی

بتاریخ ۱۰-۱۱/اپریل ۲۰۱۰ء عظمت صحابہ کے موضوع پر مرکزی جمعیت اہل حدیث دہلی کے زیر اہتمام رام لیلا گراؤنڈ نئی دہلی میں ایک عظیم الشان تاریخ ساز کانفرنس منعقد ہوئی، اس کانفرنس میں ملک و بیرون ملک کے علماء اور مقتدر ہستیوں نے شرکت فرمائی۔

ذمہ داران کانفرنس کی دعوت پر جامعہ کا بھی ایک وفد شریک ہوا، وفد میں ڈاکٹر جاوید اعظم، مولانا عبدالوہاب حجازی اور راقم السطور شامل تھے۔

کانفرنس میں تقریری پروگرام اور سیمینار دونوں کا انتظام تھا، صبح سے رات تک دونوں پروگرام مسلسل جاری رہے، پروگرام کے پہلے دن عصر بعد مولانا حجازی صاحب اور راقم نے اپنے مقالے کا خلاصہ پیش کیا، بعد نماز مغرب مولانا حجازی صاحب نے بصیرت افروز خطاب فرمایا اور اسٹیج کی صدارت ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب نے فرمائی، نیز راقم نے سیمینار کی دوسری نشست کی صدارت کا فریضہ انجام دیا۔

کانفرنس کو کامیاب بنانے کی ہر ممکنہ جد وجہد کی گئی تھی، ملک کے کونے کونے سے اصحاب قلم تشریف لائے تھے اور انہوں نے عظمت صحابہ کے مختلف گوشوں، نئے اور اچھوتے پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ یقیناً یہ مقالے تحقیق کے باب میں یادگار ہوں گے۔ (محمد ابوالقاسم فاروقی)

جامعہ کے وفد کی مالیگاؤں کے سیمینار میں شرکت

جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی مالیگاؤں کی طرف سے بتاریخ ۱۷-۱۸/اپریل ۲۰۱۰ء ''مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ: حیات وخدمات'' کے موضوع پر ایک سیمینار منعقد ہوا، ذمہ داران سیمینار کی دعوت پر جامعہ سلفیہ بنارس سے ایک سہ رکنی وفد محترم ناظم اعلی مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی کی قیادت میں اس سیمینار میں شریک ہوا، وفد میں ناظم صاحب کے علاوہ جامعہ کی مجلس منتظمہ کے رکن ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب اور جامعہ کے استاذ اسعد اعظمی شامل تھے۔

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ جامعہ سلفیہ کے بانیوں میں سے تھے، اور اس مرکزی ادارہ کے لئے آپ کی قربانیاں اور جدوجہد ناقابل فراموش ہیں، آپ تاسیس کے وقت سے لے کر زندگی کے آخری لمحے تک جامعہ کے نائب صدر کے عہدے پر فائز رہے۔

مولانا پر منعقد ہونے والے اس سیمینار کی افتتاحی نشست میں مولانا ندوی علیہ الرحمۃ کی حیات وخدمات پر تیار کئے گئے مقالات ومضامین پر مشتمل ماہنامہ ''صوت الحق'' مالیگاؤں اور ماہنامہ ''البلاغ'' ممبئی کے خصوصی شماروں کا اجراء بھی عمل

میں آیا، دیگر نشستوں میں اہل قلم نے مولانا سے متعلق مختلف گوشوں پر اپنے مقالات کے خلاصے پیش کئے۔

مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی، ناظم اعلی جامعہ سلفیہ بنارس کو سیمینار کی ایک نشست کی صدارت تفویض کی گئی، اس نشست میں آپ نے صدارتی خطاب کے ساتھ ہی حاضرین کو مولانا ندوی علیہ الرحمۃ کی ایک تقریر کا کچھ حصہ ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ سنایا، یہ تقریر مولانا نے جامعہ سلفیہ میں تعلیم کے افتتاح کے موقع پر کی تھی۔

اسی نشست میں جامعہ سلفیہ کے رکن جناب ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب نے مولانا ندوی کے بعض اہم کارناموں کے بیان پر مشتمل ایک مختصر مقالہ پیش کیا۔

۱۸/اپریل کی صبح کی پہلی نشست میں جامعہ کے استاذ اسعد اعظمی نے "الدار السلفية : أربعون عاما من الإنجاز والعطاء" کے موضوع پر عربی زبان میں تیار کردہ اپنے مقالہ کا خلاصہ پیش کیا، اور شہر مالیگاؤں میں منعقد ایک دعوتی پروگرام میں مختصر تقریر کی۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق امیر، متعدد دینی، تعلیمی ورفاہی اداروں کے بانی وسرپرست اور جامعہ سلفیہ بنارس کے تاسیسی ممبر ونائب صدر کی حیات وخدمات پر منعقد ہونے والے اس سیمینار میں ہند ونیپال کے اکابر علماء وفضلاء تشریف لائے تھے، ان تمام حضرات نے مولانا کی جد وجہد اور ان کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے نئی نسل کو ان کے کارناموں سے سیکھنے اور سبق حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

مولانا مختار احمد ندوی علیہ الرحمۃ کے جانشین ان کے خلف اصغر شیخ ارشد مختار صاحب اور ان کے رفقاء ومعاونین نے اس سیمینار کو کامیاب بنانے کی ہر ممکن جد وجہد کی، موصوف اپنے والد صاحب کی علمی ودعوتی امانت کی حفاظت وصیانت کے لئے پرعزم نظر آرہے ہیں اور تشنہ تکمیل کاموں کو تیزی سے آگے بڑھا رہے ہیں، واللہ ولی التوفیق۔ (اسعد اعظمی)

جامعہ ابن تیمیہ کے سالانہ اجلاس میں جامعہ سلفیہ بنارس کے وفد کی شرکت

جامعہ ابن تیمیہ چندن بارہ، مشرقی چمپارن بہار۔ ہندوستان کے مشہور ومعروف اور نامور تعلیمی اداروں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے مؤسس اور صدر جناب ڈاکٹر محمد لقمان سلفی/حفظہ اللہ اس کے روح رواں ہیں، اور نائب رئیس شیخ ارشد فہیم الدین سلفی/حفظہ اللہ جو جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے ممتاز فضلاء میں سے ہیں، اس کے نظم ونسق کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔

۲۸/ مارچ ۲۰۱۰ء کو اس کا سالانہ پروگرام تھا اور اس مناسبت سے ایک سیمینار بھی منعقد کیا گیا تھا جس کا عنوان تھا ''ہندوستانی مسلمانوں کی زبوں حالی اور اس کا علاج''۔

محترم ڈاکٹر محمد لقمان صاحب کی دعوت پر مجھ ناچیز کو بھی محترم جناب ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ بنارس، مولانا عبداللہ سعود سلفی اور جناب ڈاکٹر جاوید اعظم عبدالعظیم المدنی (سابق اسسٹنٹ پروفیسر گرلس کالج دمام، ورکن جامعہ سلفیہ بنارس) حفظہما اللہ و

تعالیٰ، صاحبان کے ساتھ اس پروگرام میں شرکت کا موقع ملا۔

ہم لوگ ۲۷/ مارچ کو صبح مگدھ اکسپریس سے پٹنہ پہونچے، پٹنہ ریلوے اسٹیشن پر مولانا سمیع اللہ عمری صاحب/عمید الکلیہ جامعہ امام ابن تیمیہ جو جامعہ ابن تیمیہ سے آئے ہوئے تھے، مولانا فہد الاسلام سلفی، مولانا احسن الہدیٰ صاحب و جناب محمد یوسف حلیمی صاحب، یہ تمام حضرات جامعہ کے وفد کے استقبال کے لئے حاضر تھے۔

سب سے پہلے ہم سب جناب محمد یوسف حلیمی صاحب کے گھر سبزی باغ پٹنہ پہونچے، وہاں پر محترم ناظم اعلیٰ صاحب نے پٹنہ والوں خصوصا مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیا، اور مختلف حضرات کے ساتھ بیٹھ کر جماعتی امور پر تبادلہ خیال کیا، عصر کی نماز کے بعد محترم ناظم صاحب نے سبزی باغ پٹنہ کی جامع مسجد میں مختصر مگر بہت ہی جامع خطاب فرمایا، جس میں تعلیم اور صحیح عقیدہ کی اہمیت پر زور دیا۔

اس کے بعد ہم لوگوں کا ارادہ عالمی شہرت یافتہ لائبریری ''خدا بخش لائبریری'' دیکھنے کا تھا، لیکن وقت کی قلت کے باعث دیکھ نہ سکے، پھر ہم لوگ مولانا عبدالسمیع جعفری صاحب کی عیادت میں ہسپتال پہونچے، مولانا عبدالسمیع جعفری صاحب، امیر امارت شرعیہ اہلحدیث بہار۔ کچھ دنوں سے بیمار چل رہے ہیں، ہسپتال میں ان سے ملاقات ہوئی، اور مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال ہوا۔ مولانا نے شادی سے پہلے مرد وعورت کے ملاپ پر سپریم کورٹ کے فیصلہ پر اپنا نوٹ دیکھایا جو اخبار میں چھپا تھا۔

آج کل اباحیت عام ہوتی جارہی ہے، ملک کی عدلیہ کو چاہئے کہ مغربی تہذیب کو نہ دیکھ کر ہندوستانی تہذیب کو بچائے۔ اسلام کی اس سلسلہ میں واضح ہدایات ہیں، علماء کرام کو اس کو عام کرنے کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔

شام ۵/ بجے ہم لوگ بائے کار جامعہ ابن تیمیہ کے لئے روانہ ہوئے سفر کی مشقت و پریشانی کے ساتھ ساتھ راستہ میں ازدحام کی وجہ سے ہم لوگوں کے پہنچنے میں چند گھنٹے کی تاخیر ہوگئی۔

بہر حال ۲۷/ مارچ کی رات تقریبا ساڑھے دس گیارہ بجے منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ اتنی رات تک موصوف دکتور محمد لقمان سلفی مہمانوں کا استقبال کررہے تھے، ہم لوگوں کے پہنچنے پر جناب دکتور صاحب و دیگر مدرسین جامعہ ابن تیمیہ نے گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا۔ بعض ضروریات سے فراغت کے بعد ہم لوگوں نے کھانا کھایا، پھر کچھ دیر تک موصوف دکتور صاحب و بعض دیگر ذمہ داران جامعہ کے ساتھ محترم ناظم اعلیٰ و دکتور جاوید اعظم صاحبان نے ملی و جماعتی امور و مسائل پر تبالۂ خیال کیا، پھر بچے ہوئے رات کے حصے میں ہم لوگوں نے آرام کیا۔

۲۸/ مارچ کی صبح ناشتہ کے بعد ساڑھے نو بجے جامعہ کے ایک طالب علم کی تلاوت کلام پاک کے ذریعہ پروگرام کا آغاز ہوا، پروگرام کی صدارت مؤسس و مدیر جامعہ امام ابن تیمیہ دکتور محمد لقمان سلفی صاحب نے فرمائی۔

تلاوت قرآن کریم کے بعد صدر اجلاس موصوف دکتور صاحب نے سیمینار کے مقصد اور پس منظر پر روشنی ڈالی اور

آئے ہوئے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

صدارتی کلمات کے بعد جامعہ کے طلبہ وطالبات کو تحریری وتقریری ودیگر علمی مقابلوں میں امتیازی نمبرات کے مطابق انعامات دئے گئے اور کسی وجہ سے جن کی پوزیشن نہیں آئی وہ بھی تشجیعی انعامات سے نوازے گئے۔

پھر باقاعدہ سیمینار کا آغاز ہوا، موجود علماء کرام نے موضوع سے متعلق مختلف انداز ومختلف نکات پر گفتگو کی، چند مقالہ نگاران کے بعد ہمارے محترم دکتور جاوید اعظم عبدالعظیم المدنی نے اپنے خطیبانہ وناصحانہ انداز میں مسلمانوں کی زبوحالی، تعلیمی انحطاط وتنزلی کی مختلف النوع وجوہات کی نشاندہی کی، پھر موصوف نے اس میں سدھار کے مختلف طریقے اپنانے پر زور دیا۔

اس کے بعد مہمان خصوصی، تجربہ کار، حالات وظروف پر وسیع نگاہ رکھنے والے محترم وموقر مولانا عبداللہ سعود سلفی صاحب ناظم اعلی جامعہ سلفیہ بنارس نے پوری دنیا میں خصوصاً ہندوستان میں مسلمانوں کی زبوحالی وپس ماندگی کی اصل وجہ پر سیر حاصل گفتگو کی، آزادی کے بعد مسلمانوں کے تئیں اپنائی جانے والی مختلف حکومتوں کی مختلف پالیسیوں کا مختصر مگر بہت ہی جامعہ انداز میں ذکر کیا، سچر کمیٹی کی رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے موصوف نے چند اہم باتوں کی طرف اشارہ کیا، ان میں سے ایک یہ کہ حکومت کی مسلمانوں کے تئیں غلط پالیسیوں کی وجہ سے ملک کی سب سے بڑی اقلیت میں اتنی تعلیمی تنزلی آئی ہے، حکومت نے سچر کمیٹی کی رپورٹ سے صرف یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں رچی گئی تھیں ان میں کہاں تک کامیابی ملی ہے؟

پھر محترم ناظم اعلیٰ صاحب نے اس عربی عبارت'' لایفرك جلدی مثل ظفری '' کے بمصداق تعلیمی انحطاط و نتزلی سے بچاؤں کی چند تدبیریں اپنانے کی طرف توجہ دلائی، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جامعات ومدارس کے ذمہ داران، ان میں خدمت انجام دینے والے مدرسین ودیگر عملہ اگر اپنی ذمہ داریوں کو امانت داری، خوف خدا، خلوص وللّٰہیت کے ساتھ انجام دیں تو ان شاءاللہ اس مصیبت سے نجات مل سکتی ہے۔

بہرحال یہ پروگرام ہر اعتبار سے ماشاءاللہ بہت ہی اچھا رہا، اس طرح کے حساس موضوع پر سیمینار منعقد کرنے کے لئے ذمہ داران جامعہ امام ابن تیمیہ خصوصا دکتور محمد لقمان سلفی اوران کے نائب فضیلۃ الشیخ ارشد فہیم الدین سلفی/حفظہما اللہ لائق ستائش ومبارکباد ہیں۔

تقریباً دوپہر دو بجے پروگرام اختتام پذیر ہوا، ہم لوگوں نے ظہر وعصر کی نمازیں ایک ساتھ ادا کرلیں، پھر کھانا کھانے کے بعد تقریباً شام سوا پانچ بجے بنارس کے لئے رخت سفر باندھا، اور بحمدللہ خیر وعافیت سے ۲۹/ مارچ کی صبح فجر کے وقت بنارس پہنچ گئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو استطاعت کے مطابق اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت انجام دینے کی توفیق دے، آمین۔☆☆

(نورالہدیٰ عین الحق سلفی مالدہی)

عالم اسلام

مدینہ منورہ کی بین الاقوامی کانفرنس میں مساجد کے اماموں، خطیبوں اور مسلم نوجوانوں سے اپیل
''اسلام کی اعتدال پسند تعلیمات کی پابندی کریں''

دہشت گردی کے موضوع پر اس بین الاقوامی کانفرنس میں مساجد کے اماموں، خطیبوں اور مسلم نوجوانوں پر زور دیا گیا ہے کہ وہ اسلام کی اعتدال پسند تعلیمات کی پابندی کریں اور کسی کو کافر قرار دینے، اور جہاد کے تعلق سے غیر معتبر تعلیمات کو مسترد کردیں۔

مدینہ اسلامی یونیورسٹی میں ہونے والی اس چار روزہ کانفرنس کے آخری دن جاری حتمی بیان میں بین المذاہب مذاکرات کی پالیسی اختیار کرنے اور تہذیبوں کے تصادم کے نظریہ کو مسترد کرنے کی وکالت کی گئی ہے، کانفرنس کا افتتاح وزیر داخلہ پرنس نایف نے کیا تھا۔

کانفرنس میں مسلم نوجوانوں پر زور دیا گیا ہے کہ وہ ویب سائٹ کے ذریعہ رازداری اور اعتدال کی اسلامی اقدار سامنے لائیں اور دوسروں کے لئے داعی کے طور پر سرگرم ہوں، لیکن اس اقدام سے پہلے وہ خود صحیح اسلامی تعلیمات حاصل کریں، اور دوسروں کے ساتھ بامعنی مذاکرات کے گُر سیکھیں، کانفرنس میں کہا گیا ہے کہ انتہا پسند عناصر اسلامی دنیا میں جاری تنازعات کا غلط استعمال کرتے ہیں اور ان ہی کی آڑ میں گھناؤنی حرکتوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ لہذا امن پسند طاقتوں کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کی امنگوں کا پاس رکھتے ہوئے، مسلم دنیا کے تنازعات کا منصفانہ حل ڈھونڈھیں، کانفرنس کے شرکاء نے دہشت گردی کی تمام حرکتوں کی مذمت کے ساتھ دہشت گردی سے نمٹنے کے نام پر عام شہریوں کو نقصان پہنچانے کو بھی قابل مذمت قرار دیا، مزید یہ کہ مسلم گھرانوں پر زور دیا گیا ہے کہ بچوں کو افہام وتفہیم کا کلچر سکھایا جائے، تاکہ وہ دوسروں کو قبول کرسکیں اور مثالی اسلامی کردار ادا کرسکیں، بچوں کو انتہا پسندوں کے ٹی وی چینلوں اور ویب سائٹوں سے بچانے پر بھی زور دیا گیا ہے۔

غیر مسلم ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اسلام فہمی کے محاذ پر اعتدال پسند بنائیں، تاکہ وہ دوسروں کا احترام کرنے، اور قانون کی پابندی کرنے والے بن سکیں، کانفرنس نے غیر مسلم ملکوں کی حکومتوں پر بھی زور دیا ہے کہ مسلم اقلیتوں کے حقوق کا احترام کیا جائے، اور ان کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا جائے، انتہا پسندوں سے اس کانفرنس میں یہ اپیل کی گئی ہے کہ وہ اپنے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کریں، اور غور کریں کہ ان کی حرکتوں کا اسلام اور مسلمانوں پر کیا منفی اثر پڑ رہا ہے، کانفرنس میں مذہبی اداروں سے کہا گیا ہے کہ وہ ایسے امام مقرر کریں، جو مسجد کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں، اس کے مشن کو آگے بڑھا سکیں اور معاشرے میں سرگرم کردار ادا کرسکیں، جمعہ کے خطبات کے ذریعہ جنون بھڑکانے کے بجائے انحراف پسند نظریات کی بیخ کنی کی جائے۔ (از: روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ، مورخہ ۲/اپریل ۲۰۱۰ء، بروز جمعہ)

ڈاکٹر احمد محمد احمد طیب جامعہ ازہر کے نئے سربراہ نامزد:

ڈاکٹر احمد محمد احمد طیب عالم اسلام کی عظیم دانش گاہ جامعہ ازہر مصر کے نئے شیخ الازہر اور مفتی اعظم مقرر کئے گئے، ان دونوں اعلیٰ منصبوں کو سنبھالنے کے بعد موصوف نے العربیہ چینل سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ دعوت دین میں اصلی روح لانے کی ضرورت ہے، انہوں نے بتلایا کہ وہ نہ تو حکومت کے بہت زیادہ قریب ہیں اور نہ اسلام پسند تنظیم اخوان المسلمین کے مخالف، نیز آپ نے مصر کی قومی وحدت اور مصر سے باہر اتحاد بین المسلمین کے تحفظ کا بھی عہد کیا۔ (از: اخبار العالم الاسلامی ۲۹/ مارچ ۲۰۱۰ء وراشٹریہ سہارا لکھنؤ ۲۳/ مارچ ۲۰۱۰ء)

اسلام اور مسلمانوں سے متعلق سوامی اگنی ویش کا حالیہ بیان:

بہار کے گاندھی میدان میں منعقدہ ایک اجلاس عام میں گرامی قدر سوامی اگنی ویش نے اپنا خطاب ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے شروع کرتے ہوئے نہایت ہی جذباتی انداز میں کہا کہ مسلمانوں کو بار بار نشانہ بنایا جارہا ہے، اور دہشت گرد بتانے کی کوشش کی جارہی ہے، افسوس کی بات ہے کہ اب تک یہ کام صرف پولیس والے کرتے تھے، لیکن اب کچھ میڈیا والے بھی ایسا کرنے لگے ہیں، میں کہوں گا کہ جو اصل دہشت گرد ہے اس کا پردہ فاش ہونا چاہئے، نہ کہ اسے کسی ذات یا مذہب کا لیبل لگا کر بدنام کیا جانا چاہئے، انہوں نے کہا کہ جو لوگ مذہب اسلام یا جہاد کا نام لے کر بے قصوروں کا خون بہارہے ہیں، وہ جہادی نہیں فسادی ہیں، یہ سچائی دنیا کے سامنے آنی چاہئے۔

جناب سوامی اگنی ویش نے کہا کہ ہمیں فخر ہونا چاہئے کہ اللہ کے رسول محمد صرف مسلمانوں کے پیغمبر نہیں، بلکہ ساری دنیا کے پیغمبر تھے، انہوں نے ایک اللہ کی عبادت کرنا سکھایا۔ ( )

شاہ فیصل عالمی ایوارڈ:

شاہ فیصل عالمی ایوارڈ برائے ۲۰۱۰ء کا اعلان کردیا گیا ہے، سعودی دارالحکومت ریاض میں منعقد ایک تقریب میں خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ نے مختلف شعبوں میں انعام حاصل کرنے والوں کو اعزازات عطا کئے۔

خدمت اسلام کے لئے عالمی ایوارڈ ترکی کے وزیر اعظم رجب طیب اردوان کو دیا گیا ہے، جن کا تدبر اور سیاسی وانتظامی امور میں ان کی سوجھ بوجھ اسلامی دنیا میں ایک مثال ہے۔

عربی زبان وادب سے متعلق انعام مشترکہ طور پر الجزائر کے پروفیسر عبدالرحمٰن الہواری الحاج صالح اور لبنان کے پروفیسر رمزی منیر بعلبکی نے حاصل کیا، پروفیسر عبدالرحمٰن کے علمی کاموں میں خلیل بن احمد الفراہیدی کے نحوی لسانیاتی نظریے کا عمیق مطالعہ شامل ہے، لسانیات کے میدان میں تحقیق وتعلیم اور لسانیاتی مطالعہ کی جانچ پرکھ، نیز علوم کی عربی زبان میں منتقلی کے حوالے سے ان کی خدمات بہت وسیع اور نمایاں ہیں۔

پروفیسر رمزی نے عربی اور انگریزی زبانوں میں اصالت کی حامل تحقیق کے ذریعہ عربی نحو اور نحویوں کی خدمات اور ان کے مناہج تحقیق سے اہل مغرب کو متعارف کرایا۔ (اخبار تحقیق از اسلام آباد بماہ جنوری-مارچ ۲۰۱۰ء ص ۵) ☆☆

ندوۃ الطلبہ اور انجمن حفلۃ الخطابہ کے سالانہ انعامی مسابقے

حسب سابق امسال بھی تعلیمی سال کے آخر میں ندوۃ الطلبہ کے زیر اہتمام طلبائے جامعہ کے تحریری وتقریری انعامی مسابقے منعقد ہوئے، یہ مسابقے اردو عربی دونوں زبان میں ہوتے ہیں، تقریری مسابقوں کی تفصیلات حسب ذیل ہے:

اردو مسابقے: عالم اول کے مسابقہ کا موضوع: ''آداب تلاوت قرآن کریم'' تھا، مسابقہ کی صدارت مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی حفظہ اللہ نے فرمائی، مولانا عبدالمتین صاحب مدنی اور مولانا محمد یونس صاحب مدنی حفظہما اللہ نے حکم کے فرائض انجام دیئے، مسابقے میں فرحان عبدالمجید، ریحان الحق ارشاد احمد اور محمد حامد محمد شفیع علی الترتیب اول، دوم اور سوم آئے۔

عالم ثانی کے مسابقے کا عنوان: ''حجیت حدیث کی تشریعی حیثیت'' تھا، اس نشست کے صدر مولانا محمد ابوالقاسم صاحب سلفی تھے، اور حکم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب سلفی اور مولانا عبدالرحیم صاحب ریاضی حفظہما اللہ تھے، عبدالرحیم محمد یونس، محمد محسن محمد یونس اور صفی الرحمٰن اظہر الاسلام نے پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کی۔

مرحلۂ فضیلت کا موضوع تھا: ''محاسبۂ نفس''، اس نشست کی صدارت مولانا عبدالوہاب حجازی حفظہ اللہ نے کی، جناب مولانا محمد عبدالقیوم مدنی اور مولانا محمد یونس صاحب مدنی حفظہما اللہ بحیثیت حکم رہے، اس مسابقے میں اسامہ احمد صغیر احمد نے پہلی، عبدالفتاح عبدالودود نے دوسری، عبدالرحمٰن لطف الحق نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

عربی مسابقے: عالم اول کے لئے مسابقہ کا موضوع: "الجهاد في الإسلام" منتخب کیا گیا تھا، جس کے صدر مولانا عبدالکبیر صاحب مدنی حفظہ اللہ اور حکم مولانا محمد یونس صاحب مدنی اور مولانا سعید میسور صاحب مدنی حفظہما اللہ تھے، پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ میں حسان ابوالمکرّم، شہاب الدین سراج الدین، محمد حامد محمد شفیع بالترتیب اول، دوم وسوم رہے۔

عالم ثانی کا مسابقہ "حقوق الانسان والعصر الحاضر" کے عنوان پر منعقد ہوا، اس نشست کی صدارت فضیلۃ الشیخ عبید اللہ طیب مکی حفظہ اللہ نے فرمائی اور حکم کے فرائض فضیلۃ الشیخ احسن جمیل مدنی اور فضیلۃ الشیخ اسعد اعظمی حفظہما اللہ نے انجام دیا، مسابقے میں صفی الرحمٰن اظہر الحق پہلی، محمد حسان عطاء اللہ دوسری، پرویز عالم بھولا میاں تیسری پوزیشن کے مستحق قرار پائے۔

مرحلۂ فضیلت (فضیلت اول، ثانی، ثالث) کا موضوع: "الاستغناء بالقرآن عن السنة ما له وما عليه" تھا، مسابقہ کے صدر فضیلۃ الشیخ مولانا نعیم الدین مدنی حفظہ اللہ شیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ رہے، فضیلۃ الدکتور محمد ابراہیم مدنی اور فضیلۃ الشیخ اسعد اعظمی حفظہما اللہ نے حکم کے فرائض انجام دیا، مسابقہ مذکور کے فائزین میں اسامہ احمد صغیر احمد ف ۳/، شفیق احمد بلال حسین ف ۳/، عبد الفتاح عبدالودود ف ۱/ اول، دوم وسوم بالترتیب پوزیشن سے سرفراز ہوئے۔

انجمن حفلۃ الخطابہ کا انعامی مسابقہ:

سال کے آخر میں متوسطہ اور ثانویہ مراحل کے طلبا کا سالانہ اردو انعامی مسابقہ مختلف نشستوں میں منعقد ہوا، طلبا نے نہایت جوش وخروش سے پروگرام میں حصہ لیا، اساتذۂ کرام نے بھی ان کی خوب حوصلہ افزائی فرمائی، مندرجہ ذیل طلبا پوزیشن حاصل کرکے انعام کے مستحق قرار پائے:

جماعت	پہلی پوزیشن	دوسری پوزیشن	تیسری پوزیشن
متوسطہ اولی:	عبدالغفار عبدالقدیر	محمد آصف مبارک علی	حمود سہیل سہیل احمد
متوسطہ ثانیہ:	عبدالمالک ابوطاہر	مشتاق احمد عبدالوہاب	محمد آصف وکیل احمد
متوسطہ ثالثہ:	خورشید عالم ابوبکر	عبدالکریم محمد الیاس	ثاقب ہلال ہلال عالم
ثانویہ اولی:	طارق اسعد اسعد اعظمی	محمد نثار محمد یاسین	عبدالمحیط / ابووقاص
ثانویہ ثانیہ:	سہیل احمد شہید احمد	عبداللہ کلیم اللہ	شبیر احمد/ ذبیح اللہ

باب الفتاوی

مولانا نورالہدی عین الحق سلفی مالدہی
دارالافتاء جامعہ سلفیہ، بنارس

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں:
مسلمانوں میں سے بعض حضرات کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ ملاقات کے وقت ''السلام علیکم'' کے بجائے دوسرے الفاظ مثلاً: Good Morning یا Good Night، اسی طرح خیریت سے ہیں؟ کیا حال ہے؟ وغیرہ وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں، اور بعض حضرات کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ ہاتھ کے اشارے سے سر جھکا کر سلام کرتے ہیں، کیا قرآن وحدیث کی رو سے ایسا کرنا صحیح ہے؟ قرآن وحدیث کی رو سے جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون اللہ الوھاب وھو الموفق للصواب:

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ مذہب اسلام محبت، اخوت و بھائی چارگی کا دین ہے، اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کریم میں یہ ارشاد فرمایا کہ: ﴿انما المؤمنون اخوة﴾ (الحجرات: ۱۰) یعنی تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: "المؤمن أخو المؤمن ..... " (مختصر صحیح مسلم: ۸۰۰، ارواء الغلیل: ۱۲۹۷، صحیح الجامع الصغیر ۲/ ۱۱۲۹، ح: ۶۶۴۸) جب ایک مومن دوسرے مومن کے بھائی ٹھہرے تو اسلام نے بھائیوں کے درمیان آپسی میل ومحبت اخوت و بھائی چارگی کو قائم ودائم رکھنے کے بہت سارے احکام وآداب بیان کئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان سے ملاقات ہو تو اس سے اپنے تعلق اور مسرت کا اظہار کرنے کے لئے ''السلام علیکم'' کہیں، اللہ پاک نے قرآن پاک میں فرمایا: ﴿وإذا جاء ك الذين يؤمنون بآياتنا فقل سلام عليكم﴾ (سورۃ الانعام: ۵۴) یعنی اے نبیؐ! جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے ''السلام علیکم'' کہئے۔

اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے بالواسطہ پوری امت مسلمہ کو یہ اصولی تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمان جب بھی مسلمان سے ملے تو دونوں ہی جذبات محبت ومسرت کا تبادلہ کریں، اور اس کا سب سے عمدہ اور بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لئے امن وسلامتی اور عافیت کی دعاء کریں، ایک السلام علیکم کہے تو دوسرا جواب میں ''وعلیکم السلام'' کہے، سلام باہمی الفت ومحبت کو بڑھانے اور استوار کرنے کا ذریعہ ہے۔

سلام ہمیشہ اسلامی طریقے پر کرنا چاہئے، کسی سے ہمکلام ہوں یا مکاتبت کریں، ہمیشہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے الفاظ ہی استعمال کرنا چاہئے، اس اسلامی طریقہ کو چھوڑ کر سوسائٹی، سماج ومعاشرہ میں رائج کئے ہوئے الفاظ وانداز اختیار نہیں کرنا چاہئے، اسلام کا بتایا ہوا یہ انداز خطاب نہایت سادہ، بامعنی اور پر اثر بھی ہے اور سلامتی وعافیت کی جامع ترین دعاء بھی، یعنی جب آپ کسی مسلمان بھائی سے ملتے ہوئے السلام علیکم کہتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اللہ آپ کو ہر قسم کی سلامتی وعافیت سے نوازے، اللہ آپ کی جان ومال کو سلامت رکھے، گھر بار، اہل وعیال اور متعلقین کو سلامت رکھے، دین وایمان کی سلامتی کے ساتھ ساتھ دنیا وآخرت بھی سلامت رہے، سلام کے لفظ پر الف لام داخل کر کے اور السلام علیکم کہہ کر

آپ مخاطب کے لئے سلامتی اور عافیت کی ساری دعائیں سمیٹ لیتے ہیں۔اور یہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ الصادق الامین ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "حق المسلم على المسلم ست ..... إذا لقيته فسلم عليه وإذا دعاك فأجبه ..... الخ" (صحیح مسلم، کتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام ح:۲۱۶۲) یعنی ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں، جب تم اس سے ملو تو سلام کہو اور جب وہ تجھے دعوت دے تو قبول کرو.....۔

اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ہمیں مسلمانوں کے ساتھ ملاقات کے وقت سلام کہنا چاہئے، اگر دوسرا بھائی سلام میں پہل کر جائے تو اس کا جواب کم از کم ''وعلیکم السلام'' کے الفاظ کے ساتھ دینا چاہئے اور کوشش یہ کرنی چاہئے کہ جب کوئی سلام کہے تو اس سے بہتر جواب دیا جائے، ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وإذا حييتم بتحية فحيوا بأحسن منها أو ردوها﴾ (النساء:۸۶) یعنی جب تمہیں سلام کہا جائے تو تم اسے اچھا جواب دو یا انہیں الفاظ کو لوٹا دو۔اور یہ بہتری الفاظ سلام اور چہرہ وجسم کی کیفیت دونوں میں ہو۔

حافظ ابن کثیرؒ نے مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو اس نے کہا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ'' پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے کہا: ''السلام علیکم یا رسول اللہ ورحمتہ''، آپ ﷺ نے اسے جواب میں کہا: ''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''، پھر ایک اور شخص آیا اس نے کہا: ''السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''، آپ ﷺ نے اس کے جواب میں کہا ''وعلیک''، اس آدمی نے آپ سے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کے پاس فلاں فلاں شخص آیا، انہوں نے سلام کہا، آپ نے ان کے جواب میں زیادہ کلمات کہے، اس کی بنسبت جو آپ نے مجھے جواب دیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ہمارے لئے کوئی چیز نہیں چھوڑی، پھر آپ ﷺ نے سورہ نساء کی مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی، پھر فرمایا ہم نے تجھ پر اسے لوٹا دیا ہے۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" وفي هذا الحديث دلالة على أنه لا زيادة في السلام على هذه الصفة السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، إذا لو شرع أكثر من تلك لزاده رسول الله ﷺ ". (تفسیر ابن کثیر ۱/۵۸۳)

اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سلام میں ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' سے زیادہ کلمات نہیں کہنے چاہئیں، اگر اس سے زائد کلمات مشروع ہوتے تو رسول اللہ ﷺ زیادہ کر دیتے۔

تفصیلات سے معلوم ہوا کہ ہمیں ملاقات کے وقت زبان سے سلام کے کلمات کہنے چاہئیں، سلام کے الفاظ میں جو معانی اور خیر وبرکات مضمر ہیں وہ دوسرے الفاظ جیسے Good Morning، Good Night کیسے ہیں، کیا حال ہے؟ خیریت سے ہیں؟ وغیرہ سے ادا نہیں ہو سکتے، اس لئے ان الفاظ کا سلام کی جگہ استعمال درست نہیں، پھر موقع ہو تو مصافحہ کرنا چاہئے، یہ یاد رہے کہ اللہ کے رسول محمد ﷺ ملاقات کے وقت مسکراتے چہرے کے ساتھ سلام کا جواب دیتے تھے، گھر اگر مصافحہ کا موقع ہوتا تو مصافحہ کرتے وقت اپنا ہاتھ فورا چھڑانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ انتظار فرماتے کہ دوسرا شخص خود ہی ہاتھ

چھوڑ دے، ہاں سلام کے بعد کیا حال ہے، آپ کیسے ہیں وغیرہ سے حال معلوم کرلیں تو کوئی حرج وقباحت نہیں ہے۔

صرف ہاتھ کے اشارہ کے ساتھ سلام کرنا درست نہیں کیونکہ یہ یہود ونصاری کا فعل ہے، جس سے ہمیں روکا گیا ہے، مسلمان حکمرانوں اور عامۃ الناس کسی کے لئے ایسا کرنا درست نہیں ہے، موجودہ زمانہ میں مختلف محکموں اور پروگرام کے موقع پر سلیوٹ کا جو طریقہ رائج ہے یہ بھی انہیں (یہود ونصاری) کی تقلید کا نتیجہ ہے۔

مشہور صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: لا تسلموا تسليم اليهود والنصارى فإن تسليمهم بالأكف والرؤوس والإشارة" (السنن الکبری للنسائی ۹۲/۲، ح:۱۰۱۹۲، سلسلہ الاحادیث الصحیحۃ ۳۸۸/۴، ۳۸۹، ح:۱۷۸۳) یعنی یہود ونصاری کے سلام کی طرح سلام نہ کرو، بلاشبہ ان کا سلام ہاتھوں، سروں اور اشاروں کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ نے اس حدیث کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ۱۹/۱۱)

حضرت امام عطاء بن ابی رباح ؒ فرماتے ہیں کہ: "كانوا يكرهون التسليم باليد" (الادب المفرد:۱۰۳۵) یعنی سلف صالحین ہاتھ کے ساتھ سلام کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔

اس لئے ہمیں کسی سے ملاقات کے وقت سلام کے مسنون کلمات سے سلام کرنا چاہئے، صرف ہاتھ سے اشارہ کرنا، سر ہلانا یا ہتھیلی اوپر اٹھا دینا یہ سب غیر شرعی طریقہ ہے، سلف صالحین اسے ناپسند کرتے تھے، البتہ حالت نماز میں کوئی سلام کردے یا دور سے کسی کو سلام کرنا یا جواب دینا ہو جو سنا نہ جاسکتا ہو یا کوئی بہرہ آدمی ہو تو سلام کے ساتھ ساتھ ہاتھ سے اشارہ کرنے میں کوئی مضائقہ وحرج نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر ؒ شرح صحیح البخاری فتح الباری میں فرماتے ہیں: ہاتھ کے اشارہ سے نماز کی حالت میں سلام مستثنی ہے، اس لئے کہ اس سلسلہ کی بہت ساری عمدہ اور جید مروی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حالت نماز میں اشارے کے ساتھ سلام کا جواب دیا ہے، جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری ؓ کی حدیث ہے کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ کو حالت نماز میں سلام کیا، تو آپ ﷺ نے اسے اشارے کے ساتھ جواب دیا، اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی حدیث بھی اسی طرح ہے، اسی طرح جو شخص دور ہو، سلام کی آواز نہ سکتا ہو، اس کو بھی اشارے سے سلام کرنا جائز ہے، اور اس کے ساتھ سلام کے الفاظ بھی ادا کرے۔ (فتح الباری ۱۹/۱۱)

اسی طرح ایک دوسری حدیث سے حالت نماز میں اشارہ سے جواب دینا ثابت ہے، حضرت صہیب ؓ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ: ''میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا، آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے سلام کیا تو آپ ﷺ نے اشارہ سے جواب دیا''۔ (صحیح سنن ابی داود ح:۸۱۸)

سلام کرتے وقت سامنے والے کے لئے اپنے آپ کو جھکانا درست نہیں ہے، کیونکہ مومن موحد کا سر صرف اور صرف اللہ کے سامنے جھکتا ہے، علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی سے ثابت نہیں کہ وہ ایک دوسرے کو سلام کرتے وقت جھکے ہوں۔

اوپر مذکور تمام نصوص کتاب وسنت کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام میں سلام کی بہت بڑی فضیلت ہے، اس لئے تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ مسنون طریقے کے مطابق اس کو پھیلائیں اور عام کریں، اللہ تعالی اس کی توفیق دے، آمین۔ ☆☆